۳۶
آیاتِ قرآن
کتبِ تفاسیر و سیر
کے آئینے میں
تصنیف
بدر الدجیٰ الرضوی المصباحی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ﴿۹﴾ (الحجر، آیت:۹)

بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (کنزالایمان)

26

آیاتِ قرآن

کتبِ تفاسیر و سیر کے آئینے میں

مصنف

ماہرِ درسیات، شارحِ مسلم حضرت علامہ

بدر الدجیٰ الرضوی المصباحی

ناشر

صدیقی مشن، خیر آباد، مئو

نام کتاب : ۲۶آیاتِ قرآن
مصنف : مولانا بدر الدجیٰ الرضوی المصباحی
صدر المدرسین مدرسہ عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیر آباد
پروف : مولانا اظہار احمد مصباحی
کمپوزنگ : مولانا مصطفےٰ رضا، ایس. کے. نگر
تزئین : پیامی کمپیوٹر گرافکس، مبارک پور
صفحات : ۱۰۸
اشاعت : ۱۴۴۳ھ/۲۰۲۲ء
ناشر : صدیقی مشن، خیر آباد، مئو

ملنے کے پتے:

(1)- ضیا العلوم، خیر آباد، مئو
(2)- حق اکیڈمی، مبارک پور، اعظم گڑھ
(3)- علیمی کتب خانہ، جمدا شاہی
(4)- کمال بک ڈپو، گھوسی، مئو
(5)- مکتبہ حافظِ ملت، مبارک پور، اعظم گڑھ
(6)- مکتبہ باغِ فردوس، مبارک پور، اعظم گڑھ
(7)- نظامی بک ڈپو، محمد آباد گوہنہ، مئو
(8)- رضوی منزل، مہندوپار، ایس کے نگر
(9)- قادری کتاب گھر، بریلی شریف
(10)- المکتبۃ المصطفیٰ، بریلی شریف
(11)- مصباحی اکیڈمی، مبارک پور، اعظم گڑھ
(12)- امتیاز بک ڈپو، گھوسی
(13)- انوار بک ڈپو، گھوسی
(14)- امجدیہ بک ڈپو، گھوسی
(15)- نعیم بک ڈپو، صدر بازار، مئو
(16)- مکتبہ غوثیہ، تنویر الاسلام، امرڈوبھا، ایس کے نگر

فہرست

*****

شرفِ انتساب

میں یہ کتاب محی السنۃ، ناشرِ علم وحکمت حضرت علامہ محمد صدیق قدس سرہ بانی مدرسہ عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیر آباد کے نام معنون کرتا ہوں جنھوں نے اپنی پوری زندگی خدمتِ دین میں صَرف کردی، اللہ تعالیٰ اُن کے فیوض وبرکات سے ہمیں مستفیض فرمائے۔

بدر الدجیٰ الرضوی المصباحی
منہدوپار، سنت کبیرنگر (یوپی)

مصنف کی دیگر اہم تصنیفات

(۱)۔توضیحات احسن — شرح اردو — ملاحسن
(۲)۔تہذیب الفرائد — شرح اردو — شرح عقائد
(۳)۔اطائب التہانی — شرح اردو — مختصر المعانی
(۴)۔محاضرات — شرح اردو — قطبی تصورات
(۵)۔افاضۃ الرضوی — شرح اردو — میر قطبی
(۶)۔نفحۃ المسلم — شرح اردو — مقدمۂ مسلم
(۷)۔البیان المفہم (جلداول) شرح اردو صحیح مسلم (کتاب الایمان)
(۸)۔البیان المفہم (جلد ثانی) شرح اردو صحیح مسلم (کتاب الطہارۃ، کتاب الصلاۃ)
(۹)۔تشریحات — شرح اردو — قطبی تصدیقات
(۱۰)۔زاد الحرمین — (حج وزیارت)
(۱۱)۔مخزنِ طب (نایاب) (طب)
(۱۲)۔فضیلت رمضان (نایاب)

ہدیۂ تشکر و امتنان

میں اپنے درج ذیل احباب و معاونین کا صمیمِ قلب سے شکر گزار ہوں۔

(۱)۔ حبر العلوم والفنون حضرت علامہ ناظم علی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کا شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کتاب پر بالاستیعاب نظرِ ثانی فرمائی اور کتاب کو اعتبار بخشا اور اس کی افادیت میں اضافہ فرمایا۔

(۲)۔ ایک صاحبِ خیر کا جن کے مالی تعاون سے یہ کتاب منظرِ عام پر آئی، اللہ تعالیٰ ان کے رزقِ حلال میں مزید وسعت اور خیر و برکت عطا فرمائے۔

(۳)۔ محبِ گرامی مولانا اظہار احمد مصباحی استاذ مدرسہ عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیر آباد کا، جنھوں نے میری قلمی خدمات میں ہمیشہ میرا ہاتھ بٹایا۔

(۴)۔ مفتی اشرف نہال مصباحی، خیر آباد، مفتی ذی شان ضیا مصباحی خیر آباد، مولانا مصطفےٰ رضا ضیائی، ایس. کے. نگر، کا جنھوں نے اس کتاب کو آپ تک پہنچانے میں خصوصی معاونت کی، اللہ تعالیٰ سب کو خیر کثیر عطا فرمائے۔

بدر الدجیٰ الرضوی المصباحی
منہدوپار، سنت کبیر نگر (یوپی)

تاثرِ جلیل

عمدة المحققین حضرت علامہ و مولانا محمد ناظم علی مصباحی صاحب
استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

حامدًا و مصليًا و مسلمًا

اسلام مخالف طاقتیں مذہب اسلام کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے لیے روز اول سے ہی ناپاک کوششیں کر رہی ہیں مگر وہ اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب و کامران نہیں ہوئیں اور صبح قیامت تک نہ کبھی کامیاب ہوں گی انبیاے کرام کے وارث و جانشین و داعیان، حق کا صحیح رخ پیش کر کے اسلام دشمن طاقتوں کا چہرہ بے نقاب کرتے رہیں گے اور اسلام کا پرچم سربلند کرتے رہیں گے قرآن کریم نے اس حقیقت کو روشن کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ (التوبۃ، آیت:۳۲)

کچھ دنوں پہلے وسیم رضوی نے اسلام دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قرآن کریم کی کچھ آیتوں کو ہدف طعن بنایا اور یہ ہرزہ سرائی کی کہ یہ آیتیں اللہ عزوجل کا کلام نہیں بلکہ خلفاے ثلاثہ کا اضافہ ہیں جو دہشت گردی اور بد امنی کی دعوت دیتی ہیں انھیں قرآن کریم سے خارج کیا جاے اور قرآنی آیات کے ساتھ انھیں شائع نہ کیا جاے اس کے لیے اس بد دماغ و بد باطن نے ملک کی عدالت عالیہ سے اپیل کی ملک کی عدالت عالیہ نے اس

بے عقل کی اپیل خارج کر کے اسے خائب و خاسر، نامراد و ناکام اور رسوائے زمانہ کر دیا ملک کی عدالت عالیہ اپنے اس فیصلے کے لیے لائق ستائش اور قابل مبارک باد ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا وہ آیتیں واقعی اللہ عزوجل کا کلام نہیں اور دہشت گردی و بد امنی کی دعوت دیتی ہیں؟ اس ہرزہ سرائی کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اس حقیقت کو واشگاف کرنے کے لیے جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے قابل فخر مصباحی فرزند حضرت علامہ و مولانا بدر الدجی صاحب رضوی مصباحی صدر المدرسین مدرسہ عربیہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیر آباد ضلع مئو نے ایک گراں قدر کتاب ارقام فرمایا جس میں رسوائے زمانہ وسیم رضوی کی ہرزہ سرائیوں اور ہفوات کا سدّباب فرمایا اور قرآن کریم کی جن آیتوں کے معانی کو اس نے مسخ کر کے پیش کیا تھا آپ نے اس کا صحیح خد و خال پیش کیا اور مستند تفاسیر سے ثابت کیا کہ قرآن کریم کی وہ آیتیں اللہ عزوجل کا کلام معجز نظام ہیں جس پر وہ خود روشن شاہد ہیں وہ آیتیں دہشت گردی اور بد امنی کی دعوت نہیں دیتی ہیں بلکہ دہشت گردی اور بد امنی کا سد باب کرتی ہیں معاشرہ کو صاف و شفاف اور خوش گوار کرتی ہیں اور ظالموں کے ظلم و سرکشی کا سر قلم کرتی ہیں، اسلام نے اس بات کی دعوت دی ہے کہ کسی بھی قوم سے جنگ میں پہل نہ کریں البتہ اگر کوئی تم سے برسرپیکار ہو تو تم اپنے دفاع میں اس سے جنگ کر سکتے ہو مگر دفاع میں بھی سخت ترین تاکید فرمائی کہ عدل و انصاف سے دفاع کیا جائے، کسی بھی قسم کی زیادتی نہ کی جائے، اسلام نے بے گناہ اور بے قصور لوگوں اور امن پسندوں سے جنگ و جدال کا ہرگز حکم نہ فرمایا بلکہ ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا حکم فرمایا۔ اسلام وہ مذہب ہے جو اپنے حریف کے خلاف بلا وجہ جارحانہ عمل، قتل و غارت گری اور ناجائز اقدامات پر پابندی عائد فرمائی ہے، اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ (البقرۃ:190)

اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو، حد سے

بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا تو امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے قصاص لینے میں دریغ نہ فرماتے اسلام دشمن طاقتیں اسلام کے اس عادلانہ اور پر امن نظام کو دیدۂ دل سے دیکھیں اور انصاف کریں اور قرآن کریم کے عادلانہ نظام کو مسخ کرنے کی ناپاک کوششیں نہ کریں اسلام کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے کہ فدایان اسلام نے ہمیشہ دفاعی جنگیں لڑی ہیں اور ہر ایک کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے کیا کوئی امن پسند معاشرہ اور منصف و عادل مزاج اس بات کو پسند کرے گا کہ بلاوجہ اسے قتل کیا جائے اور وہ اس سے اپنا دفاع نہ کرے ہرگز نہیں ان روشن حقائق کے مطالعہ کرنے کے لیے آپ پیش نظر کتاب "۲۶/ آیاتِ قرآن" کا بہ نظر غائر مطالعہ کریں ہر عاقل و عادل اور منصف مزاج پر حق واضح ہو جائے گا اور وسیم رضوی کی اسلام دشمنی روز روشن سے زیادہ عیاں وظاہر ہو جائے گی۔

حضرت علامہ و مولانا بدر الدجیٰ صاحب رضوی نہ صرف جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور اپنے محبوب ادارہ "مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیر آباد" کی طرف سے بلکہ پوری جماعت اہل سنت کی طرف سے ڈھیر ساری مبارکبادیوں کے مستحق ہیں کہ آپ نے وسیم رضوی کی ہرزہ سرائی کے خلاف ایک محققانہ کتاب تالیف فرمائی اور حقائق کو روشن فرمایا اور اس اسلام دشمن شخص کی اسلام دشمنی کو آشکار فرمایا، اللہ رب العزت اپنے حبیب اعظم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل آپ کے علم و فضل اور علمی و قلمی افادات و افاضات میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے اور انھیں مقبول خاص و عام فرمائے۔ اٰمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ وعلیٰ اٰلہ وصحبہ افضل الصلاۃ واکمل التسلیم الی یوم الدین

روز جمعہ ۱۲ بجے
۸ ربیع النور ۱۴۴۳ھ

محمد ناظم علی
خادم جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

عرضِ حال

مارچ۲۰۲۱ء بنام مسلمان وسیم رضوی نے ملک کی عدالت عالیہ سپریم کورٹ میں قرآن مقدس کی ۲۶ آیات کے خلاف ایک پٹیشن اس مطالبے کے ساتھ دائر کیا کہ یہ آیات پوری دنیا میں دہشت گردی کو ہوا دے رہی ہیں اور یہ نفرت اور آتنک کا باعث ہیں لہٰذا انہیں قرآن سے حذف کر دیا جاے اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی دعوی کیا کہ یہ اصل قرآنی آیات نہیں ہیں بلکہ خلفاے ثلاثہ نے قرآن میں اپنی طرف سے ان کی ملاوٹ کر دی ہے اور کذب بیانی کرتے ہوے اس نے اپنا یہ بیان بھی نشر کیا کہ بہت سے علماے اسلام اور مسلم تنظیموں سے ان آیات کا جواب مانگا گیا لیکن سبھی نے چپی سادھ لی اور کسی نے اس کا جواب نہیں دیا بنام مسلمان اس کے اس ناجائز مطالبے سے عالم اسلام میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور اس کے خلاف احتجاج کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا جو بالکل بجا تھا لیکن اس سے کہیں زیادہ ضروری یہ تھا کہ اس کے الزام اور اتہام کا پردہ چاک کیا جاے اور کتب تفاسیر و سیر سے ان آیات کا جو صحیح مفہوم ہے اسے منظر عام پر لا کر دنیا کو بتایا جاے کہ قرآن منزل من اللہ اور غیر متبدل کتاب ہے اس میں کسی قسم کی تحریف، تبدیلی اور غیر قرآن کی ملاوٹ ممکن نہیں ہے اور قرآن نفرت اور دہشت گردی کا نقیب نہیں ہے بلکہ دنیا میں امن و امان کا علم بردار ہے۔

استاذ محترم جامع معقول و منقول، ماہر درسیات، شارح مسلم حضرت علامہ و مولانا بدر الدجی الرضوی المصباحی نے اس ضرورت کا فوری طور پر احساس کیا اور تفاسیر و سیر کی مستند کتابوں سے وسیم رضوی کے بیہودہ الزام کا نہایت تحقیقی جواب قلم بند کرنا شروع کر دیا استاذ محترم جیسے جیسے جواب قلم بند فرماتے مفتی اشرف نہال مصباحی، مفتی ذیشان

ضیا مصباحی، مولانا مصطفی رضا ضیائی اسے کمپوز کر کے عام استفادہ کے لیے ان کی وال سے فیس بک پر ڈال دیا کرتے اس طرح دو تین ماہ میں الحمد للہ ثم الحمد للہ ۲۶/آیات کا کماحقہ معنی و مفہوم، شان نزول اور پس منظر دنیا کے سامنے آگیا اور یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ ان آیات پر آتنک اور نفرت کو ہوا دینے کا الزام در حقیقت معترضین کی کج فہمی اور غلط فہمی کا نتیجہ ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے لہٰذا ضروری ہے کہ عصبیت کی عینک اتار کر قرآن کا مطالعہ تفاسیر کی روشنی میں کیا جائے تو یہ سمجھ میں آجائے گا کہ قرآنی آیات واحکام فطرت کے تقاضے کے عین مطابق ہیں اور قرآن حیات انسانی کا ایک جامع منشور اور رہتی دنیا تک کے لیے ایک راہ ہدایت ہے اور یہ شر و فساد کا داعی نہیں بلکہ امن و امان کا نقیب و علم بر دار ہے

صدیقی مشن نے اس کا احساس کیا کہ اس علمی تحقیق کو زیور طبع سے مرصع کر کے منظر عام پر لایا جائے تاکہ عوام و خواص اس سے استفادہ کریں اور معترضین بھی اپنا ذہنی خلجان دور کر لیں

اب جب کہ یہ کتاب طباعت کے لیے پریس جا رہی ہے خبروں کے مطابق وسیم رضوی نے ۶ دسمبر ۲۰۲۱ء کو دیوی مندر ڈاسنہ غازی آباد میں باضابطہ اپنا مذہب تبدیل کر کے سناتن دھرم اختیار کر لیا ہے اور اپنا نیا نام جتیندر نارائن تیاگی منتخب کیا ہے۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ استاذ محترم کے علم و فضل میں بے پناہ برکتیں و رفعتیں عطا فرمائے اور آپ کے وجود مسعود سے ہمیں تادیر مستفیض رکھے

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی قدر دانی کی بھی توفیق بخشے اور آپ کی عنایات خسروانہ ہم پر یوں ہی قائم و دائم رکھے۔

آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

محمد عارف رضا عارفی خیرآباد مئو
متعلم - جامعہ اشرفیہ مبارک پور
موبائل نمبر: 7651977148

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حامدًا و مصلیاً و مسلما

آیاتِ جہاد
(معنیٰ و مفہوم، شانِ نزول، پس منظر)

آیاتِ جہاد کا صحیح معنیٰ و مفہوم، پس منظر اور شانِ نزول بیان کرنے سے پہلے جہاد کا لغوی اور شرعی مفہوم اور اس کی اقسام کی وضاحت بے حد ضروری ہے۔

جہاد: جَہْد سے ماخوذ ہے جو بہت سے معانی کے لیے موضوع ہے مثلاً: مشقت، انتہا، گنجائش، طاقت، انتہائی کوشش۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ ماخوذ میں ماخوذ منہ کا معنیٰ و مفہوم پایا جاتا ہے، لہٰذا جہاد کے لغوی معنیٰ میں بھی یہ سب معانی موجود ہوں گے اور شرع میں دینِ حق کے فروغ اور اس کی سربلندی کے لیے انتہائی جد و جہد کا نام "جہاد" ہے جس کی کئی صورتیں ہیں، جہاد ہم زبان سے بھی کر سکتے ہیں اور مال سے بھی کر سکتے ہیں قلم سے بھی کر سکتے ہیں، اپنے علم سے بھی کر سکتے ہیں اور بوقت ضرورت اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بھی کر سکتے ہیں۔ شرع میں جہاد صرف قتل و قتال اور جنگ و جدال کا نام نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر جہاد کا یہی معنیٰ بتا کر وسیم رِضوی جیسے لوگ برادرانِ وطن کے ذہن کو پراگندہ کرنے اور مذہب اسلام کے خلاف غیر اسلامی دنیا کو بھڑکانے کا کام کرتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بوقتِ ضرورت مخصوص شرائط کے ساتھ

غیر ذمی کفار سے جنگ کرنے کا نام بھی جہاد ہے، لیکن یہ کہنا کہ "جہاد" صرف اسی معنٰی میں مستعمل ہے؛یہ نفس الامر کے صریح خلاف ہے قرآن واحادیث میں بہت سے مقامات پر اس معنٰی کے علاوہ دیگر معانی پر جہاد کا اطلاق ہوا ہے مثلاً:قرآن مجید کی آیت مبارکہ:

"وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ."[1]

اور جو اللہ کی راہ میں کوشش کرے تو اپنے ہی بھلے کو کوشش کرتا ہے بے شک اللہ بے پرواہ ہے سارے جہان سے۔(کنزالایمان)

اس آیت مبارک میں جہاد کا اطلاق متعدّد معانی پر ہوا ہے، مثلاً: اطاعتِ الٰہی پر، صبر وتحمل،جہاد بالنفس،شیطان کی مخالفت اور اعدائے دین کے ساتھ جنگ۔(خزائن العرفان)

اسی طرح قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ:

"وَالَّذِیْنَ جٰهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ".[2]

اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انھیں اپنے راستے دکھا دیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔(کنزالایمان)

اس آیت مبارکہ میں مجاہدہ پر جہاد کا اطلاق ہوا ہے یعنی تمام ظاہری اور باطنی اعمال اور عادات واطوار میں رضائے الٰہی کے لیے ہوائے نفس اور شیطانی وسوسوں کے خلاف جدوجہد کرنے کا نام جہاد ہے بلکہ احادیث میں اسے جہادِ اکبر کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے صاحبِ تفسیر ابو سعود اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"أُطْلِقَ الْمُجَاهِدَةُ لِيَعُمَّ جِهَادَ الْأَعَادِي الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ."[3]

۱-العنکبوت،آیت:٦

۲-العنکبوت،آیت:٦٩

۳-تفسیر ابي سعود،ج:۷،ص:۴۸

اسی طرح قرآن مجید کی آیت مبارکہ:

”وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔“[1]

اور اللہ کی راہ میں لڑو اپنے مال اور جان سے یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر جانو۔

(کنزالایمان)

اس آیت میں اگر ممکن ہو تو مال اور جان دونوں سے اور اگر ممکن نہ ہو تو دونوں میں سے جس سے ممکن ہو اس سے جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ایک قول کے مطابق اس آیت میں صرف قسم اول (جہاد بالمال) کا حکم ہے۔[2]

اسی طرح حدیث میں ظالم و جابر فرماں روا کے سامنے حق بات کہنے کو افضل الجہاد سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

” أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ الْحَقِّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ. “[3]

جہاد کا مفہوم اتنا وسیع ہے کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی خدمت گزاری پر بھی جہاد کا اطلاق کیا گیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

”جَاءَ رَجُلٌ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَاسْتَأْذَنَهُ فِي الْجِهَادِ. قَالَ: أَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ. “[4]

ایک شخص بارگاہِ رسالت ﷺ میں آیا اور اس نے آپ ﷺ سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بس انھیں کی خدمت کر۔

۱- التوبہ، آیت: ۴۱

۲- تفسیر ابی سعود، ج: ۴، ص: ۶۷

۳- شعب الایمان للبیہقی، ج: ۶، ص: ۹۳، الحدیث: ۷۵۸۱، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

۴- صحیح البخاری، ص: ۷۳۳، الحدیث: ۳۰۰۴، کتاب الجہاد والسیر دار الفکر، بیروت، لبنان

یہاں پر ہم نے صرف چند آیتیں اور حدیثیں پیش کی ہیں ورنہ قرآن اور کتبِ احادیث میں بہت سی آیات و احادیث ہیں جن میں جہاد کا اطلاق حرب وضرب کے علاوہ دیگر معانی پر ہوا ہے اس سے یہ اچھی طرح مبرہن ہو گیا کہ "جہاد" کا لفظ صرف کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ اور دیگر اسلام دشمن طاقتوں سے نبرد آزما ہونے تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ چار حرفی لفظ اپنے آپ میں بڑی وسعت رکھتا ہے۔

اتنی وضاحت کے بعد اب ہم آپ کی توجہ ان آیات جہاد کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں، جن کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن کی یہ آیات دنیا میں "آتنک" پھیلا رہی ہیں اور دہشت گردی کو ہوا دے رہی ہیں، لیکن اس سے پہلے ہم یہاں آپ کو یہ بتاتے ہوئے چلیں کہ اعلان نبوت کے آغاز سے لے کر ۱۳؍ سال تک مکۃ المکرمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے مٹھی بھر جاں نثاروں کے ساتھ وہ ظالمانہ سلوک کیا گیا جس کے تصور سے ہی روح کانپ جاتی ہے۔ غریب اور مفلوک الحال مسلمانوں کو مسلسل ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا جاتا رہا، حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گردن میں رسی ڈال کر مکہ کی گرم پہاڑیوں اور سنگلاخ وادیوں میں گھسیٹا جاتا، دوپہر کے وقت جب کہ سورج انگارے اگل رہا ہوتا انہیں زمین پر لٹا کر سینے پر پتھروں کی وزنی سلیں رکھ دی جاتیں، مشکیں باندھ کر لاٹھی اور ڈنڈوں سے پیٹا جاتا، دھوپ میں دیر تک بٹھایا جاتا۔ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئلہ دہکا کر آگ پر لٹایا جاتا، ان کی چھاتی پر ایک شخص پیر رکھ کر کھڑا رہتا، تاکہ وہ کروٹ نہ بدل سکیں، اور اتنی دیر تک لٹایا جاتا کہ بھڑکتے ہوئے کوئلے سرد پڑ جاتے۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے والدین حضرت یاسر اور حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر روزانہ مشق ستم کیا جاتا، حتی کہ حضرت سمیہ کی اندام نہانی پر نیزہ مار کر انھیں شہید کر دیا گیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کا چچا چٹائی میں لپیٹ کر الٹا لٹکا دیتا اور نیچے دھواں دیتا تاکہ وہ گھٹ گھٹ کر بے جان ہو جائیں۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام قبول کرنے کی پاداش میں ان

کی ماں نے گھر سے نکال دیا۔ صحابہ تو صحابہ خود بانی اسلام بھی ان کے ظلم و تشدد سے نہیں بچ سکے، یہاں تک کہ جب حضرت عمر اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اسلام قبول کر لیا تو قریش مکہ کے غیظ و غضب کی آگ اتنی تیز ہو گئی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ پورے بنی ہاشم کا مقاطعہ کر دیا، اس لیے نہیں کہ وہ اسلام قبول کر چکے تھے، بلکہ اس لیے کہ وہ در پردہ آپ کی حمایت کر رہے تھے، حتی کہ مجبور ہو کر پورے تین سال تک آپ کو بنی ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہونا پڑا، جب قریش کا ظلم و ستم حد سے تجاوز کر گیا، تو آپ نے جاں نثاران اسلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائیں، جب وہ حبشہ ہجرت کر گئے تو قریش کا ایک وفد نجاشی کے دربار میں تحفہ اور تحائف لے کر پہنچ گیا، تا کہ گفت و شنید کر کے ان مظلوموں کو وہاں سے بھی نکلوا دیا جائے، یہ اور بات ہے کہ نجاشی نے حضرت سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر سے متاثر ہو کر قریش کے سفیروں کو نہ صرف یہ کہ ناکام واپس کر دیا بلکہ اسلام بھی قبول کر لیا، ۱۳؍ سال تک مسلسل ظلم و تشدد کا نشانہ بننے اور انتہائی کٹھن اور صبر آزما حالات سے گزرنے کے باوجود صحابہ کرام کو قریش سے نبرد آزما ہونے کے لیے تلوار اٹھانے کی اجازت نہیں دی گئی، صحابہ کرام بے کسی کے عالم میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فریاد کرتے اور ظالموں سے اپنے دفاع کے لیے تلوار اٹھانے کی اجازت طلب کرتے تو آپ فرماتے: ''صبر کرو مجھے ابھی جہاد کا حکم نہیں دیا گیا'' حتی کہ ایک دن ایسا بھی آیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں مدینہ ہجرت کر گئے، پھر یکے بعد دیگرے آپ کے صحابہ نے بھی ہمیشہ کے لیے اپنے وطن مکۃ المکرمہ کو خیر باد کہہ دیا اور وہ بھی مدینہ چلے آئے، اتنی دور چلے جانے کے باوجود بھی انھیں ابتدائی دنوں میں سکون سے رہنا میسر نہیں آیا قریش مکہ نے مدینہ کے یہودیوں سے ساز باز کر کے مدینہ کی زمین بھی ان پر تنگ کر دی، مدینۃ المنورہ میں صحابۂ کرام کے ابتدائی حالات یہ تھے کہ وہ ہر وقت جنگ جیسی حالت میں رہتے، اور خود

کو چوکنا رکھتے کہ نہ جانے کب کدھر سے حملہ ہوجائے اور راتوں کو وہ جاگ جاگ کر پہرے دیتے اور کڑی نگرانی رکھتے، حتیٰ کہ قدرت کو ان پر ترس آہی گیا اور سورۂ حج کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی جس میں فدایانِ اسلام کو پہلی بار کفار و مشرکین مکہ سے اپنے دفاع کے لیے جہاد کی اجازت دی گئی:

"اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ بِاَنَّہُمۡ ظُلِمُوۡا ؕ وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصۡرِہِمۡ لَقَدِیۡرُ."[1]

پروانگی عطا ہوئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ ان پر ظلم ہوا اور بیشک اللہ اُن کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیت سے پہلے دس بیس نہیں بلکہ ستر سے زیادہ آیات ایسی نازل ہوئی ہیں جن میں صحابۂ کرام کو ظالموں سے قتال کرنے سے روک دیا گیا تھا، صحابۂ کرام خون سے لہو لہان پٹے پٹائے جب بھی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فریاد کرتے تو سرکار یہی جواب دیتے: "إِصْبِرُوْا فَإِنِّیْ لَمْ أُوْمَرْ بِالْقِتَالِ" تم صبر کرو کیوں کہ مجھے قتال کا حکم نہیں دیا گیا ہے جیسا کہ تفسیر ابی سعود میں ہے:

"كَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يُؤْذُوْنَهُمْ وَكَانُوْا يَاتُوْنَهُ ﷺ بَيْنَ مَضْرُوْبٍ وَّ مَشْجُوْجٍ وَ يَتَظَلَّمُوْنَ إِلَيْهِ فَيَقُوْلُ ﷺ لَهُمْ: إِصْبِرُوْا فَإِنِّیْ لَمْ أُوْمَرْ بِالْقِتَالِ حَتّٰى هَاجَرُوْا فَأُنْزِلَتْ وَهِيَ أَوَّلُ آيَةٍ نَزَلَتْ فِي الْقِتَالِ بَعْدَ مَا نَهٰى عَنْهُ نَيِّفٌ وَّسَبْعِيْنَ آيَةً."[2]

اس کے مابعد آیت: ۴۰ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مظلومیت کو بھی آشکارا فرمادیا کہ یہ لوگ ناحق اپنے گھروں سے نکالے گئے ان کا اگر کوئی جرم تھا تو صرف یہ جرم تھا کہ یہ لوگ اپنے رب کی ربوبیت کا اعتراف کرتے تھے اور اٹھتے بیٹھتے یہ لوگ کہتے

۱- الحج۔ ۳۹

۲- تفسیر ابی سعود، ج:۶، ص:۱۰۸

تھے:" ربنا اللہ "ہمارارب اللہ ہے اور اس آیت سے متّصلاً بعداللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو جو دفاعی جنگ کی اجازت دی اس کی وجہ بھی بیان کردی کہ اگراللہ آدمیوں کو ایک دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو روئے زمیں پر کوئی بھی ایسا عبادت خانہ باقی نھیں بچتا جس میں اللہ تعالیٰ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے۔

ناخلف وسیم رضوی نے ابھی حال ہی میں غیر متبدل قرآن پاک کی چھبیس آیات جہاد کے خلاف سپریم کورٹ میں جو پٹیشن (عرضی) داخل کی ہے اور انہیں خلفاے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اخلاط کا نتیجہ قرار دے کر قرآن مقدس سے حذف کرنے کا جو ناجائز مطالبہ کیا ہے یہ اس کا کوئی نیا کارنامہ نہیں ہے یہ کام آج سے دو دہائی قبل وشو ہندو پریشد کی تنظیم اپنے دفتر سے بڑے پیمانے پر ایک پمفلٹ کی اشاعت اور اس کی تقسیم کے ذریعے انجام دے چکی ہے، لیکن وشو ہندو پریشد بھی یہ ہمت نہیں جٹا پائی کہ سپریم کورٹ جاکر قرآن کو چیلنج کرے لیکن آج اس کی ناجائز اولاد وسیم رضوی نے ان آیات کے خلاف بنام مسلمان سپریم کورٹ میں عرضی داخل کر کے عالم اسلام کو نہ صرف یہ کہ حیرت میں ڈال دیا ہے بلکہ ان کے خاموش جذبات میں ہیجان پیدا کر دیا ہے اور ضروریات دین کا انکار کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ اسلام کے دائرے سے خارج ہے آج شیعی علما اور مشائخ کے مراکز بھی اس کی ناپاک حرکت پر بڑے پیمانے پر اسے مرتد قرار دے رہے ہیں جس کے لیے وہ مبارکباد کے قابل ہیں بلکہ اس کے چھوٹے بھائی نے بھی نہایت دل گیر لب و لہجے میں تقریری بیان دے کر مع اہل خانہ، والدہ، بھائی اور بہن کے اس سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا ہے جس کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں۔

اتنی تفصیل کے بعد اب ہم ان ۲۶ آیات کو یکے بعد دیگرے پیش کریں گے پھر مستند تفاسیر کی روشنی میں ان کے معانی ومفاہیم، شان نزول اور پس منظر پر روشنی ڈالیں گے تاکہ یہ واضح ہوجاے کہ اسلام دین فطرت اور خدائی قانون کا نام ہے یہ کسی انسان کا

وضع کردہ نہیں ہے اور قرآن خدا کی نازل کردہ غیر متبدل کتاب ہے جو ہر طرح کے حشو و زوائد سے پاک و صاف ہے اس میں خلفائے ثلاثہ یا اربعہ یا کسی اور انسان کی کسی آمیزش کا قطعًا کوئی دخل نہیں ہے اور اس کی ساری دفعات، کلیات و جزئیات فطرت کے تقاضے کے عین مطابق ہیں اور یہ کسی بھی قسم کے قطع و برید اور کمی و بیشی سے محفوظ ہے اور ہمیشہ محفوظ رہے گا اور یہ کہ قرآن صلح و آشتی، امن و امان کا داعی اور نقیب ہے اس کا دہشت گردی اور آتنک سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔

پہلی آیت:

"فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ." [1]

پھر جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ اور انہیں پکڑو اور قید کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکات دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنز الایمان)

یہاں پر آپ کو یہ جان لینا چاہیے کہ اسلام دشمن طاقتوں کو جن آیاتِ جہاد پر اعتراض ہے ان میں اکثر کا تعلق سورۂ توبہ سے ہے لہٰذا یہ جان لینا ضروری ہے کہ سورۂ توبہ کا نزول کن حالات میں اور کن اسباب و علل سے ہوا۔

سورۂ توبہ کی ابتدائی ۳۰ یا ۴۰ آیات کا نزول فتحِ مکہ کے بعد ۹ ہجری میں ہوا مسلمانوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی اجازت اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اتفاق سے مشرکینِ مکہ اور دیگر قبائلِ عرب سے جنگ بندی کا معاہدہ کر رکھا تھا جس کی پاس داری فریقین پر

۱- التوبہ، آیت:۵

ضروری تھی مسلمان اس عہد و پیمان پر عمل پیرا رہے لیکن بنو ضمرہ اور بنو کنانہ کو چھوڑ کر دیگر مشرکین مکہ اور قبائل عرب نے عہد شکنی کی جس کا ذکر سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۴؍ میں صراحت کے ساتھ موجود ہے حتی کہ صلح حدیبیہ کے آخری معاہدے کو بھی انھوں نے پسِ پشت ڈال دیا جس کی دفعات بظاہر مسلمانوں کی کمزوری کی طرف مُشعِر تھیں۔ اس ترقی یافتہ دور میں غیر مسلم دنیا بھی عہد و پیمان کا احترام کرتی ہے اور ایفائے عہد کو ہر حال میں لازم قرار دیتی ہے اور اسلام میں تو ایفاے عہد کی سخت تاکید کی گئی ہے قرآن مجید میں جابجا عہد و پیمان پر عمل آوری کا حکم دیا گیا ہے اور یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ تم عہد پورا کرو بے شک عہد سے سوال ہو گا۔

”وَ اَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا.“[1]

لیکن ظاہر ہے کہ جب ایک فریق عہد شکنی پر اتر آتا ہے تو عہد خود بخود ساقط ہو جاتا ہے اور یہی یہاں پر بھی ہوا، جب مشرکینِ مکہ کی عہد شکنی سامنے آگئی تو حضور ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۹؍ ہجری میں حج کے موقع پر امیر الحج بنا کر مکۃ المکرمہ روانہ فرمایا اور ان کے پیچھے عضبا (اونٹنی) پر سوار کر کے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی مکۃ المکرمہ بھیجا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوم ترویہ (۸ ذی الحجہ) کو خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے مناسک حج بیان فرمائے اور یوم نحر (۱۰ ذی الحجہ) کو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے جمرۂ عقبہ کے پاس کھڑے ہو کر مشرکین مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! میں تمھاری طرف رسول اللہ ﷺ کا فرستادہ بن کر آیا ہوں مشرکین نے کہا: آپ ہمارے لیے کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۂ توبہ کی ابتدائی ۳۰ یا ۴۰ آیات طیبات کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ میں تمھارے پاس چار باتوں کا حکم لے کر آیا ہوں: (۱)- اس سال کے بعد کوئی مشرک کعبہ شریف کے پاس نہ آئے۔ (۲)- کوئی

۱- بنی اسرائیل، آیت: ۳۴

شخص برہنہ ہوکر کعبہ شریف کا طواف نہ کرے۔ (۳)- جنت میں سوائے اہل ایمان کے کوئی داخل نہیں ہوگا۔ (۴)- ہر ذمی کے عہد کو پورا کیا جائے گا۔ [1]

مذکورہ تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ آیت نمبر ۵ میں جن مشرکین کو شہر حرام کے بعد مارنے یا ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے عام کفار و مشرکین مراد نہیں ہیں بلکہ اس کا تعلق ان مشرکینِ عرب سے ہے جنھوں نے مسلمانوں سے نہ صرف یہ کہ عہد شکنی کی بلکہ دعوت اسلام کی پامالی کے لیے اپنی ناپاک مساعی صرف کردیں جیسا کہ "فاقتلوا المشرکین" کی تفسیر میں صاحب تفسیر ابی سعود فرماتے ہیں:

"أَلنَّاكِثِيْنَ خَاصَّةً فَلَا يَكُوْنُ قِتَالُ الْبَاقِيْنَ مَفْهُوْمًا مِنْ عِبَارَةِ النَّصِّ بَلْ مِنْ دَلَالَتِهٖ." [2]

اور صاحبِ مدارک نے بھی اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے فرماتے ہیں:

"اَلَّذِيْنَ نَقَضُوْكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلَيْكُمْ." [3]

بلکہ اس سورت میں اول سے آخر تک خطاب انھیں کفار و مشرکین کے ساتھ ہے جنھوں نے اپنے عہد کی پاسداری نہیں کی جیسا کہ اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں صاحب تفسیر ابی سعود فرماتے ہیں:

"اَلْمُرَادُ بِالْمُشْرِكِيْنَ النَّاكِثُوْنَ لِأَنَّ الْبَرَاءَةَ إِنَّمَا هِيَ فِيْ شَانِهِمْ." [4]

ان مستند اور معتبر تفسیرات سے یہ عیاں ہو گیا کہ سورۂ توبہ کی اس آیت مبارکہ میں جن مشرکین و کفار کو قتل کرنے اور وہ جہاں ملیں وہاں انھیں مارنے اور دھر پکڑ کا جو حکم دیا گیا ہے اس سے عام کفار و مشرکین اور برادران وطن مراد نہیں ہیں جیسا کہ وسیم

۱- تفسیر ابی سعود ج:۴، ص:۴۱

۲- تفسیر ابی سعود ج:۴، ص:۴۳

۳- تفسیر النسفی، ج:۲، ص:۱۱۶، اصح المطابع ممبئی

۴- ایضا، ص:۴۴

رضوی اور اسلام دشمن عناصر پروپیگنڈہ کر رہے ہیں بلکہ اس سے خاص عہد رفتہ کے وہ مشرکین مکہ اور قبائل عرب مراد ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ قتل وغارت گری، دھوکہ دھڑی اور عہد شکنی جیسے بھیانک جرائم کا ارتکاب کیا قرآن ہرگز اس امر کا داعی نہیں ہے کہ بلا وجہ چلتے پھرتے بے قصور یا دیگر لوگوں پر کلاشنکوف سے گولیاں برسائی جائیں اور سیکڑوں بچوں کو یتیم اور عورتوں کے سروں سے سہاگ کی ردائیں چھین لی جائیں قرآن تو اس کا داعی ہے کہ اگر ایک انسان نے بلا وجہ کسی بھی انسان کی جان لے لی خواہ وہ کسی بھی مذہب کا متبع ہو تو گویا کہ وہ روے زمین کے تمام انسانوں کا قاتل ہے اور اگر کسی نے کسی بھی مظلوم و مقہور کمزور اور ناتواں انسان کی جان بچائی تو گویا کہ اس نے روے زمین کے تمام انسانوں کی جان بچانے کا کام کیا قرآن فرماتا ہے:

”مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا“[1]

”جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے ایک جان کو جلا لیا اس نے گویا سب لوگوں کو جلا لیا۔“ (کنزالایمان)

بلکہ اگر کہیں پر صحیح طرح اسلامی حکومت کا نظام نافذ ہو تو وہاں پر غیر مسلم اقلیت کی جان و مال اور حقوق اتنے ہی محفوظ ہیں جتنے کہ مسلم اکثریت کی جان و مال اور حقوق محفوظ ہیں انہیں بھی اپنے مذہب پر عمل کرنے اور عبادت خانے کی تعمیر کا وہی حق حاصل ہے جو مسلم اکثریت کو حاصل ہے جیسا کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا فِي غَيْرِ كُنْهِهِ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ.“[2]

۱-المائدہ آیت:۳۲

۲-المستدرک للحاکم، ج:۲، ص:۱۴۲، کتاب قسم الفیئ، دار المعرفہ، بیروت، لبنان

جس نے کسی معاہد کو بلا جرم قتل کیا اس پر جنت حرام ہے۔

اور ایک اور مقام پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهَدة لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيحَهَا ليوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ خَمْسِمِائَةِ عَام". [1]

جس شخص نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پا سکے گا باوجودیکہ جنت کی خوشبو پانچ سو برس کی مسافت سے سونگھی جاتی ہے۔ اور عہد و پیمان کے بعد اسے توڑ دینے والے کی سرزنش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس انداز میں کر رہے ہیں:

"إِنَّ الْغَادِرَ يُنْصَبُ لَهُ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالَ : هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنُ فُلَانٍ." [2]

بے شک عہد شکن کے لیے قیامت کے روز نشان کھڑا کیا جائے گا اور کہا جائے گا، اس نے فلاں بن فلاں سے عہد شکنی کی۔

اور ایک مسلمان قاتل سے مقتول ذمی کے وارثین کے خون بہا قبول کر لینے کی تصدیق کے بعد قاتل کو آزاد کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ كَانَ لَهُ ذِمَّتُنَا فَدَمُهُ كَدَمِنَا وَ دِيَتُهُ كَدِيَتِنَا." [3]

جو ہمارا ذمی ہوا اس کا خون ہمارے خون اور اس کی دیت ہماری دیت کی طرح ہے۔

دوسری آیت:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ

۱- جمع الجوامع للسیوطی، ج:۹، ص:۲۱۷، دار السعادۃ

۲- جمع الجوامع للسیوطی، ج:۸، ص:۳۰۷، دار السعادۃ

۳- السنن الکبریٰ للبیہقی، ج:۸، ص:۶۳، کتاب الجراح الحدیث:۱۵۹۳۴ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان

فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ." [1]

اے ایمان والو! مشرک نرے ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں اور اگر تمہیں محتاجی کا ڈر ہے تو عنقریب اللہ تمہیں دولت مند کر دے گا اپنے فضل سے اگر چاہے بے شک اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

یہ سورۂ توبہ کی دوسری آیت ہے جو اسلام دشمن عناصر کے دل میں کھٹک رہی ہے اس سے پہلے یہ بتا دیا گیا ہے کہ سورۂ توبہ کی اکثر آیات میں مشرکین سے وہ مشرکین مکہ مراد ہیں جنھوں نے عہد و پیمان کی پاسداری نہیں کی تاہم یہاں پر یہ بتانا ضروری ہے کہ اس آیت میں مشرکین کو جو نجس قرار دیا گیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس آیت میں نجاست سے اس کا متبادر مفہوم بول و براز (پیشاب، پاخانہ) مراد نہیں ہے جیسا کہ اسلام دشمن عناصر سمجھ رہے ہیں بلکہ اس سے ان کا وہ شرک مراد ہے جو نجاست کی منزل میں ہے یا انھیں اس آیت میں نجس اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ وہ صحیح طرح سے طہارت اور غسل وغیرہ نہیں کرتے ہیں اور نجاست سے اجتناب نہیں کرتے ہیں جیسا کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ یہ کھڑے کھڑے پیشاب کرتے ہیں اور پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتے ہیں، ایک لوٹا پانی سے اجابت کرتے ہیں ان اسباب و وجوہات کی بنا پر ان پر نجاست کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ بول و براز کی طرح عین نجس ہیں جیسا کہ تفسیر ابی سعود میں ہے:

"وَصَفُوْا بِالْمَصْدَرِ مُبَالَغَةً كَأَنَّهُمْ عَيْنُ النَّجَاسَةِ أَوْ هُمْ ذُوْ نَجْسٍ لِخُبْثِ بَاطِنِهِمْ أَوْ لِأَنَّ مَعَهُمُ الشِّرْكُ الَّذِىْ هُوَ بِمَنْزِلَةِ النَّجْسِ أَوْ لِأَنَّهُمْ لَا يَتَطَهَّرُوْنَ وَلَا يَغْتَسِلُوْنَ وَلَا يَجْتَنِبُوْنَ النِّجَاسَاتِ فَهِىَ مُلَابَسَةٌ لَهُمْ." [2]

۱- التوبہ آیت: ۲۸

۲- تفسیر ابی سعود ج: ۴، ص: ۵۷

بلکہ علامہ امام ابوزکریا بن شرف نووی دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صحیح مسلم باب الدلیل علی ان المسلم لاینجس کے تحت فرماتے ہیں:

طہارت و نجاست میں کافر کا وہی حکم ہے جو مسلم کا حکم ہے یہی شوافع اور جمہور سلف و خلف کا بھی مذہب ہے اور آیت مبارکہ "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" سے کفار و مشرکین کے اعتقاد کی نجاست مراد ہے یہ مراد نہیں ہے کہ بول و براز اور ان کے امثال کی طرح ان کے اعضا نجس ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"وَ أَمَّا الْكَافِرُ فَحُكْمُهٗ فِي الطَّهَارَةِ وَ النَّجَاسَةِ حُكْمُ الْمُسْلِمِ هٰذَا مَذْهَبُنَا وَ مَذْهَبُ الْجَمَاهِيْرِ مِنَ السَّلْفِ وَ الْخَلْفِ وَ أَمَّا قُوْلُ اللهِ عَزَّوَجَلَّ: "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" فَالْمُرَادُ نَجَاسَةُ الْإِعْتِقَادِ وَ الْإِسْتِقْذَارِ وَلَيْسَ الْمُرَادُ أَنَّ اَعْضَاءَهُمْ نَجَسَةٌ كَنَجَاسَةِ الْبَوْلِ وَ الْغَائِطِ وَ نَحْوِهِمَا."[1]

"فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا"

"تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں۔" (کنزالایمان)

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ کفار و مشرکین کو مسجد حرام کے قریب آنے سے روکیں۔

یہ حکم مشرکین کی نجاست پر متفرع ہے اور قرب سے ممانعت مبالغہ کی غرض سے ہے، امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس آیت میں منع سے مراد مشرکین کو حج و عمرہ سے روکنا ہے، نہ کہ حرم، مسجد حرام اور دیگر مساجد سے اور امام شافعی کے نزدیک خاص

۱۔ شرح مسلم للنووی، کتاب الطہارۃ/باب الدلیل علی ان المسلم لاینجس، ص ۱۶۲: مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور

مسجد حرام میں دخول سے روکنا مراد ہے،اور امام مالک کے نزدیک جمیع مساجد سے مشرکین کوروک دینے کاحکم دیاگیاہے جیساکہ تفسیرابی سعود میں ہے:

”وَقِيْلَ الْمُرَادُ بِهِ النَّهْيُ عَنِ الدَّخُوْلِ مُطْلَقًا، وَقِيْلَ: الْمُرَادُ بِهِ الْمَنْعُ عَنِ الْحَجّ وَالْعُمْرَةِ وَهُوَ مَذْهَبُ أَبِيْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ وَلَا يُمْنَعُوْنَ مِنْ دُخُوْلِ الْحَرَمِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَسَائِرِ الْمَسَاجِدِ عِنْدَهٗ وَعِنْدَ الشَّافَعِيْ يُمْنَعُوْنَ مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ خَاصَّةً وَ عِنْدَ مَالِكٍ يُمْنَعُوْنَ مِنْ جَمِيْعِ الْمَسَاجِدِ.“[1]

لیکن صاحب تفسیر ابی سعود نے یہاں پر احناف اور شوافع کے مفتیٰ بہ اور راجح قول کی وضاحت نہیں کی ہے ہم یہاں پر اس بابت احناف اور شوافع کے مذاہب پر مختصراً روشنی ڈالنا چاہیں گے۔

شوافع کے نزدیک حرم میں کفار ومشرکین کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے تاہم دیگر مساجد میں وہ مسلمانوں کی اجازت سے مسجد میں داخل ہوسکتے ہیں پھر یہاں پر مشرکین سے خاص بت پرست مراد ہیں یا دیگر اقسام کے کافر مراد ہیں اس پر شوافع نے بحث کی ہے۔علامہ سبکی فرماتے ہیں: حرم میں تو مطلقاً کافر کو داخل ہونے سے روک دیا جائے گا خواہ وہ ذمی ہوں(مسلم ملک میں غیر مسلم اقلیت) یا مستامن (عارضی طور پر پاسپورٹ اور ویزے سے آنے والے غیر مسلم)

امام نووی شافعی دمشقی فرماتے ہیں:

حرم کے علاوہ باقی مساجد میں مسلمانوں کی اجازت سے کافر کا داخل ہونا جائز ہے (خواہ وہ ذمی ہو یا مستامن بت پرست ہو یا اہل کتاب) اس لیے کہ ثقیف کا ایک وفد رمضان کے مہینے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا آپ نے ان کے لیے مسجد میں خیمہ

۱-تفسیرابی سعود،ج:۴،۵۷

نصب کیا جب وہ اسلام لے آئے تو انھوں نے روزے رکھے اس حدیث کو طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی وہ روایت بھی ہے جس میں ثمامہ بن اثال کو گرفتار کرکے مسجد کے ستون سے باندھنے کا ذکر ہے اس وجہ سے امام شافعی نے حکم لگایا ہے کہ مسلمان کی اجازت سے کافر کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے خواہ وہ غیر اہل کتاب ہو البتہ مکہ کی مساجد اور حرم میں کسی کافر کا داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ علامہ نووی نے "مجموع" میں لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ حرم میں کسی کافر کو نہ داخل ہونے دیا جائے اور غیر حرم کی ہر مسجد میں کافر کا داخل ہونا جائز ہے اور مسلمانوں کی اجازت سے وہ رات کو مسجد میں رہ سکتا ہے۔[1]

احناف کے نزدیک غیر معاہد (جن سے مسلمانوں کا معاہدہ نہ ہوا ہو) مشرکین کو حرم اور اسی طرح باقی مساجد میں داخل ہونے سے منع کیا جائے گا اور اہل (ذمّی) کو حرم اور اسی طرح باقی مساجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کیا جائے گا۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سیر کبیر میں فرماتے ہیں:

"وَ ذُكِرَ عَنِ الزُّهْرِيِّ اَنَّ اَبَا سُفْيَانَ بْنِ حَرْبٍ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فِي الْحُدَيْبِيَّةِ وَهُوَ كَافِرٌ غَيْرَ أَنَّ ذٰلِكَ لَا يَحِلُّ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ."[2]

زہری سے روایت ہے کہ معاہدۂ حدیبیہ کے ایام میں ابوسفیان مسجد میں آتے تھے حالاں کہ اس وقت وہ کافر تھے البتہ یہ مسجد حرام میں جائز نہیں ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مشرکین نجس ہیں وہ مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔

امام محمد کے اس قول سے متبادر ہوتا ہے کہ مطلقاً مشرکین کو مسجد حرام میں داخل

۱۔ تکملہ شرح تہذیب ج۹ ص ۴۳۶، ۷ ۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۔ سیر کبیر مع شرحہ ج:۱، ص ۱۳۴ مطبوعہ المکتبۃ للثورۃ الاسلامیہ افغانستان

ہونے سے روک دیا جائے گا لیکن "جامع صغیر" میں آپ نے اس کی صراحت کی ہے کہ اہل ذمہ کے حرم میں داخل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

"وَلَا بَأسَ بِأَن يدْخُلَ أَهْلُ الذِّمَّةِ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ"[1]

امام محمد کی صراحت کے پیشِ نظر فقہاے احناف کا نظریہ یہ ہے کہ اہل ذمہ کو کعبہ شریف اور باقی مساجد میں داخل ہونے سے منع نہیں کیا جائے گا یہ ممانعت صرف مشرکین غیر معاہد کے لیے ہے۔

عالمگیری میں ہے:

"لَا بَأسَ بِدُخُوْلِ أَهْلِ الذِّمَّةِ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَ سَائِرَ الْمَسَاجِدِ وَ هُوَ الصَّحِيْحُ كَذَا فِي الْمُحِيْطِ لِلسَّرْخَسِيْ."[2]

یہاں پر "وھو الصحیح" سے اس طرف اشارہ ہے کہ علامہ سرخسی نے شرح سیرِ کبیر میں جو یہ لکھا ہے کہ مسجد حرام اور باقی مساجد میں حربی اور ذمی دونوں کے داخل ہونے کی ممانعت نہیں ہے یہ صحیح نہیں ہے۔

امام مالک کے نزدیک کسی بھی قسم کے غیر مسلم کو کسی بھی مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے خواہ وہ حرم کی مسجد ہو یا غیر حرم کی مسجد۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک مطلقاً حرم (مکۃ المکرمہ کا وہ حصہ جو حرم میں داخل ہے) میں مشرکین کا داخلہ ممنوع ہے اس میں مسجد حرام کی کوئی تخصیص نہیں ہے اور غیر حرم کی مساجد میں ان کے دو قول ہیں۔

یہ تمام حوالے ہم نے علامہ سعیدی رحمہ اللہ کی شرح صحیح مسلم ج:۳، ص:۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳ سے لیے ہیں۔

۱- جامع صغیر ص:۱۵۳ مطبوعہ مصطفائی ہند

۲- فتاویٰ عالمگیری، ج:۵، ص:۳۴۶، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر

تیسری آیت:

”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةًؕ-وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ.“[1]

اے ایمان والو! ان کافروں سے جہاد کرو جو تمھارے قریب ہیں اور وہ تم میں سختی پائیں اور جان رکھو کہ اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔ (کنزالایمان)

ابھی حال ہی میں وسیم رضوی کا نیا ویڈیو وائرل ہوا ہے اس میں اس نے سپریم کورٹ میں پیش کردہ چھبیس آیات میں سے ۶/آیات کا الٹا سیدھا ترجمہ نہایت ہی غیظ و غضب اور دیدہ دلیری کے ساتھ پڑھ کر سنایا ہے جس میں سے پہلی آیت: ”فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ الخ“ کا جواب ہم اپنی دوسری قسط میں دے چکے ہیں۔ اس آیت میں ”اَشْهُرِ حُرُمْ“ کا ترجمہ اس ناخلف نے رمضان کے مہینے سے کیا ہے، جب کہ ”اَشْهُرِ حُرُمْ“ سے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب کے مہینے مراد ہیں حیرت بالائے حیرت ہے کہ جس کی قرآن فہمی کا یہ عالم ہے کہ اسے یہ تک نہیں معلوم ہے کہ ”اشہر حرم“ سے کیا مراد ہے؟ وہ قرآن کی چھبیس آیات کو سپریم کورٹ میں چیلنج کرنے چلا ہے اور بار بار میڈیا میں اس کی رِپیٹ کرکے یہ ظاہر کررہا ہے کہ ”خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْؕ-وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ٘-وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ“[2]

”اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“ (کنزالایمان)

کے مصداق ابھی ناپید (ختم) نہیں ہوئے ہیں۔

۱-التوبۃ، ۱۲۳

۲-البقرۃ، آیت:۷

سورۂ توبہ کی آیت نمبر: ۱۲۳ کو اس نے وائرل ویڈیو میں ذکر کیا ہے اور اسے اپنی پٹیشن میں داخل کیا ہے اس کے بارے میں آپ کو یہ بتایا جا چکا ہے کہ سورۂ توبہ کی بیشتر آیات میں وہ کفار و مشرکین عرب مراد ہیں جنہوں نے معاہدۂ امن کی نہ صرف یہ کہ خلاف ورزی کی بلکہ مسلمانوں پر انتہائی جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بدر، احد اور خندق جیسی بھیانک جنگوں سے انہیں دو چار کر دیا جن میں احد میں خود پیغمبر اسلام ﷺ پر حملہ کر کے دندان مبارک شہید کر دیے بلکہ عمرو بن قمیہ نے ایک پتھر اس زور سے مارا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خود کی کڑیاں رخسار مبارک میں چبھ (دھنس) گئیں جس سے لب ہائے مبارک اور رخ انور زخمی ہو گئے اور شدید جارحیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۱۰۸ مہاجرین و انصار صحابہ کو شہید کر دیا، اور اس پر بھی انہیں تسلی نہیں ہوئی تو باختلاف روایت دس ہزار یا چوبیس ہزار کی بھاری نفری لے کر تمام قبائل عرب کے ساتھ مدینہ پر حملہ کر دیا جس کا دفاع صحابۂ کرام نے خندق کھود کر کیا پھر جب معاہدۂ حدیبیہ کی قرارداد پاس ہوئی تو انہیں بھی اپنے پیروں تلے روند ڈالا، سورۂ توبہ کی آیات میں ایسے شریر کفار و مشرکین عرب کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ ہندوستان کے امن پسند شہریوں اور برادران وطن کے ساتھ۔

اس ضروری وضاحت کے بعد اب ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ سورۂ توبہ کی آیت :۱۲۳ میں جو قریبی کفار سے اہل ایمان کو جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس سے کون سے کفار مراد ہیں؟ لیکن اس سے پہلے ہم اس کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مقدس میں متعدّد مقامات پر جو لفظ "کفر" یا اس کے مشتقات مثلاً کافر، کفار، کافرین اور کافرون وغیرہ کا ذکر آیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ کیا لفظ کافر سب و شتم (گالی) ہے جیسا کہ وسیم رضوی جیسا ناخلف یہ سمجھ اور سمجھا رہا ہے، اس لیے ہم یہاں پر فرزندان اسلام اور برادران وطن پر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ کافر کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو برادران وطن کے

آزار، تضحیک، تذلیل یا تکلیف کا باعث ہو بلکہ یہ لفظ مسلم کے مقابلے میں محض ایک اصطلاح ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر انبیا و رسل کی نبوت و رسالت اور تمام شرائع دین کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرنے اور ماننے والے کو مسلم کہتے ہیں اور جو اس کا منکر ہو، اسے نہ مانتا ہو اسے کافر کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

"كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ"[1]

"تم کیسے اللہ کے منکر ہو سکتے ہو حالاں کہ تم مردہ تھے تو اس نے تمہیں پیدا کیا۔"

(کنزالایمان)

اسی طرح ایک اور مقام پر فرماتا ہے:

"وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا"[2]

"اور جو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کو نہ مانے تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں جا پڑا۔" (کنزالایمان)

اور بولا جاتا ہے: كفر بالله، أو بنعمة الله۔ اس نے اللہ یا اس کی نعمت کا انکار کیا۔[3]

میں نے عربی، اردو، انگلش کی متعدّد لغات میں دیکھا اور دکھوایا لیکن کسی بھی لغت میں لفظ کافر کا ایسا معنی تلاش بسیار کے بعد بھی نہیں ملا جس سے کسی بھی زاویے سے اس لفظ سے گالی، سب وشتم کا مفہوم متبادر ہو لہٰذا ہر کسی کو یہ غلط فہمی دور کر لینی چاہیے کہ لفظ

۱-البقرۃ، آیت:۲۸

۲-النساء، آیت:۱۳۶

۳-المعجم الوسیط ک ف ر ص:۹۵۶

کافر برادران وطن کے لیے گالی ہے، اس سے بھی آسان لفظوں میں آپ کو یہ بتادوں کہ ایک ہے مسلم اور ایک ہے نان مسلم اور جو نان مسلم ہیں انہیں کو قرآن میں کافر یا کفار سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ سورۂ توبہ کی اس آیت میں ہے۔

مسلم اور کافر کے معانی و مفاہیم کی وضاحت کے بعد سورۂ توبہ کی اس آیت: (۱۲۳) میں الاقرب فالاقرب کے ضابطہ کے تحت اہل ایمان کو پہلے قریبی کفار سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب سے پہلے ان لوگوں تک اسلام کی تبلیغ و انذار کا حکم دیا گیا جو آپ کے بہت قریب تھے اور جن پر آپ کو کافی اعتماد تھا کیوں کہ جو بہت قریب ہوتا ہے وہ سب سے پہلے خیر وفلاح اور اصلاح حال کا مستحق ہوتا ہے

اب اس آیت میں قریبی کفار سے کون سے لوگ مراد ہیں؟ اس میں دو قول ہے:(ا) -مدینہ کے یہود مراد ہیں مثلاً بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع۔ (۲)- اہل روم، کیوں کہ یہ شام میں رہتے تھے اور شام عراق کے بہ نسبت مدینۃ المنورہ سے زیادہ قریب پڑتا تھا جیسا کہ تفسیر ابی سعود میں ہے:

”قِيْلَ: هُمُ الْيَهُوْدُ حَوَالِي الْمَدِيْنَةِ كَبَنِيْ قُرَيْظَةَ وَالنُّضَيْرِ وَ خَيْبَر وَ قِيْلَ: اَلرُّوْمُ فَاِنَّهُمْ كَانُوْا يَسْكُنُوْنَ الشَّامَ وَهُوَ قَرِيْبٌ مِنَ الْمَدِيْنَةِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْعِرَاقِ وَ غَيْرِهٖ.“[1]

لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ اس سے بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع کے یہودی مراد ہیں جو مدینے میں آباد تھے اور معاشی اعتبار سے اتنے خوش حال تھے کہ مدینے اور دیگر شہروں کی تجارتی منڈیوں پر ان کا قبضہ تھا لیکن اسی کے ساتھ یہ ہر طرح کی اخلاقی بیماریوں میں بھی مبتلا تھے مثلاً یہ سود کھاتے تھے، جھوٹ بولتے تھے، رات دن سازشیں رچا کرتے تھے، احکام الٰہی میں ذاتی فائدے کے لیے تحریف (رد و بدل) سے بھی باز نہیں

۱- تفسیر ابی سعود، ج:۴، ص:۱۱۲

آتے تھے مسلمانوں سے بغض و حسد ان کی فطرت میں داخل تھا۔ عرب اوس و خزرج جو بعد میں انصار صحابہ سے مشہور ہوے یہودیوں سے ہمیشہ دبے رہتے تھے کیوں کہ معاشی بدحالی کی بنا پر یہ اکثر یہودیوں کے مقروض رہا کرتے تھے اور قرض کے لیے یہ یہود مدینہ کے پاس اپنی عورتوں اور بچوں تک کو رہن رکھ دیتے تھے۔ یہود مدینہ کے تفوق اور بالادستی کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ اہل کتاب کے ساتھ زیرک و دانا اور اہل خرد بھی تھے۔

مکۃ المکرمہ میں صرف ایک قوم اہل اسلام کے سامنے تھی جو بت پرست، جاہل اور اجڈ تھی جب کہ مدینہ مختلف اقوام اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں کا مرکز تھا اس لیے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مدینہ منورہ ہجرت کر جانے کے بعد اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے یہود مدینہ سے ایک معاہدہ کیا جو تاریخ و سیر کی کتابوں میں صحیفہ کے نام سے جانا جاتا ہے جس کی دفعات نہایت جامع اور امن و امان کے لیے بہت ضروری تھیں جس کا مقصد یہ تھا کہ شہر کے داخلی امن و امان میں کوئی خلل نہ آنے پائے اور باہر سے کوئی خطرہ درپیش اور نمودار ہو تو مدینے کے تمام قبائل مل کر اور متحد ہو کر اس کا مقابلہ کریں یہ معاہدہ مساوات پر مبنی تھا اور اس کی دفعات میں بلا تفریق اہل مدینہ کے تمام شہری اور مذہبی حقوق کی حفاظت کا نظم کیا گیا تھا لیکن یہود اپنی فطرت سے باز نہیں آے اور اسلام اور اہل اسلام کے خلاف درپردہ ریشہ دوانی شروع کر دی مثلاً اوس و خزرج (انصار صحابہ) میں تفرقہ ڈال کر خانہ جنگی کی وہ آگ دوبارہ بھڑکانے کی کوشش کی جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ہجرت سے پہلے دونوں گروہوں میں پشتوں سے بھڑک رہی تھی اور دونوں گروہوں کی ہلاکت اور تباہی کا باعث بنی ہوئی تھی اس آپسی خانہ جنگی کی وجہ سے ہجرت سے پہلے یہ یہودیوں کے دست نگر بن کر رہ گئے تھے معاہدے کے باوجود یہ شرک اور بت پرستی کو وحدانیت سے بہتر اور قابل ترجیح قرار دیتے تھے جب کہ یہ خود اہل کتاب تھے اور یہ خود کو اس کے لیے بھی آمادہ رکھتے تھے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائیں گے۔

جیسا کہ آج وسیم رضوی کا حال ہے، درپردہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف بھی منصوبہ بندی کیا کرتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کو ہمیشہ یہودیوں سے جان کا خطرہ بنا رہتا تھا جس کی مثال یہ ہے کہ جب حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وقت اخیر آیا تو انہوں نے یہ وصیت کردی کہ اگر میرا دم رات میں نکل جائے تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر نہ کرنا کہ مبادا وہ جنازے میں تشریف لائیں اور یہودی ان پر حملہ کردیں۔

جیسا کہ "اسد الغابہ" میں ہے:

"فَقَالَ: ادْفِنُوْنِيْ وَأَلْحِقُوْنِيْ بِرَبِّيْ، وَلَا تَدْعُوْا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِّيْ أَخَافُ عَلَيْهِ الْيَهُوْدَ أَنْ يُّصَابَ فِيْ سَبَيْلٍ"[1]

اس سازش میں منافقین مدینہ بھی پیش پیش رہتے تھے جن کا سردار عبد اللہ بن ابیّ تھا یہودی اس کے حلیف تھے مشرکین مکہ بھی برابر انہیں اکسایا کرتے تھے کہ ہمارے صاحب (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے ساتھ تم برابر لڑتے رہو ورنہ ہم تمھارے ساتھ یہ کریں گے وہ کریں گے۔ کعب بن اشرف الگ سے درد سر بنا رہتا تھا حاصل یہ ہے کہ یہود مدینہ اپنے معاہدے پر زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکے ایک مسلمان عورت بنو قینقاع کے محلے میں دودھ بیچنے گئی یہودیوں نے اس کے ساتھ اتنی شرارت کی کہ اسے بر سر بازار ننگا کر دیا اور جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں اس پر بات کرنے کے لیے طلب کیا تو انہوں نے معاہدے کا کاغذ ہی واپس کر دیا اور جنگ و جدال پر آمادہ ہو گئے ان کی عیاری اور شرارت اس حد تک بڑھ گئی کہ انہوں نے درپردہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل تک کا منصوبہ بنا لیا لیکن بروقت وحی الٰہی سے ان کے جان لیوا منصوبے کا آپ کو علم ہو گیا ان اسباب، وجوہات اور حالات کے پیش نظر اس آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ پہلے ان قریبی کفار کی خبر لو پھر دور والوں کو دیکھنا کیوں کہ "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" مشہور مثل ہے اور نسبتاً قریب

۱- أسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ج:۳، ص:۸۱

والے، دور والوں سے زیادہ خطرناک اور ڈینجر ہوتے ہیں یہی اس آیت کا مطلب ہے کہ ایمان والے پہلے اپنے قریب رہنے والے یہودی بنو نضیر، بنو قریظہ (یہود مدینہ) سے جنگ کریں اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان اپنے پڑوس، محلہ، گاؤں، قصبے اور شہر کے رہنے والے غیر مسلم برادران وطن کے خلاف بلا وجہ بندوق، اور کلاشنکوف کے ساتھ صف آرا ہو جائیں اور چلتے پھرتے برادرانِ وطن کو گولیوں سے بھون دیں، جیسا کہ وسیم رضوی یہ بھرم پیدا کر رہا ہے اور برادران وطن میں اشتعال پیدا کر کے فریقین کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کرنا چاہتا ہے۔

اور سورۂ توبہ آیۃ: (۱۲۳) کی صوفیانہ تفسیر یہ ہے کہ اہل ایمان پہلے اپنے قریبی کفار نفس امارہ سے قتال اور جہاد کریں پھر خارجی اور دور والے کافروں کا خیال کریں کہ ان سے جہاد آسان ہے لیکن اپنے قریبی کافر نفس سرکش سے جہاد بڑا مشکل اور کٹھن کام ہے لہٰذا تم میں خوب سختی اور شدّت کی ضرورت ہے کہ کسی بھی وقت نفس تم میں نرمی نہ پائے کہ تم پر غالب آجائے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ کفار سے جہاد جہاد اصغر ہے اور نفس سے جہاد جہاد اکبر ہے جہاد اصغر کے لیے تیر و تلوار بازار سے خریدے جاسکتے ہیں مگر نفس سے لڑنے کے ہتھیار کوچہ و بازار میں نہیں بکتے ہیں، اس کے لیے دل میں عشق نبی کی شمع جلانی پڑتی ہے اور نفس کشی اور انتہائی سخت مجاہدہ سے گزرنا پڑتا ہے جو بڑا مشکل کام ہے۔

چوتھی آیت:

”اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا.“[1]

۱- النساء، آیت: ۵۶

”جنھوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے، جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انھیں بدل دیں گے کہ عذاب کا مزہ لیں، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔“(کنزالایمان)

سورۂ نسا کی یہ آیت مبارکہ آیاتِ وعید میں سے ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے منکرینِ آیاتِ الٰہی پر وعید قائم کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ہم انھیں جہنم میں داخل کریں گے۔

اس کی تشریح سے پہلے ہم آپ کو یہ بتادیں کہ اس کا تعلق ماقبل کی آیات سے ہے لہٰذا ہم ماقبل کی آیات پر ایک سرسری نظر ڈال لیتے ہیں۔

اس سے پہلے آیت نمبر:۵۱ ہے، جس کا شانِ نزول یہ بتایا گیا ہے کہ ستر افراد پر مشتمل یہودیوں کا ایک وفد قریشِ مکہ سے ملاقات کے لیے مدینہ سے مکہ پہنچا جس کی قیادت حی بن اخطب اور کعب بن اشرف جیسے سرکردہ علمائے یہود کررہے تھے اس وفد کا مقصد حضور ﷺ کے خلاف جنگ میں قریش مکہ کو اپنا حلیف بنانا اور اس معاہدے کو پامال کرنا تھا جو حضور ﷺ اور یہود کے مابین طے پایا تھا جس پر ہم نے اپنی چوتھی قسط میں روشنی ڈالی ہے، جب ان کے مابین بات چیت شروع ہوئی تو قریش مکہ نے ان سے کہا کہ تم اہل کتاب ہو اور ہمارے لحاظ سے محمد (ﷺ) کے زیادہ قریب ہو لہٰذا ہم تمھاری باتوں پر بآسانی بھروسہ نہیں کرسکتے تاہم اگر تم ہمارے معبودوں کو سجدہ کرکے ہمیں اطمینان دلادو تو ہم تم پر اعتماد کرسکتے ہیں اور محمد (ﷺ) کے خلاف جنگ میں تمھیں اپنا حلیف بناسکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقصد برآری کے لیے یہود بتوں کے آگے سر بسجود ہوگئے، عیاری و مکاری ان کی سرشت میں داخل تھی؛ اس لیے انھیں ابلیس کی اطاعت کرنے میں دیر نھیں لگی، پھر ابوسفیان جو اس وقت اسلام نھیں لائے تھے؛ ان سے مخاطب ہوئے اور کعب بن اشرف سے سوال کیا کہ تم تو اہل کتاب اور صاحبِ علم ہو اور ہم تمھارے مقابلے میں گنوار ہیں تم بتاؤ کہ ہم سیدھی راہ پر ہیں یا محمد (ﷺ) اور

ان کے اصحاب ؟ کعب بن اشرف نے کہا: محمد (ﷺ) تمھیں کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ ابوسفیان نے کہاکہ: وہ ہمیں صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیتے ہیں اور سیکڑوں خداؤں کی عبادت سے منع کرتے ہیں کعب بن اشرف نے ابوسفیان سے پوچھاکہ: تمھارا دین کیا ہے ؟جس کے جواب میں ابوسفیان نے اپنے دین اور معمولات بتائے۔

کعب بن اشرف نے برجستہ کہا:

"اَنْتُمْ اَهْدَىٰ سَبِيْلًا"[1] تم ہی سیدھی راہ پر ہو۔

آیت نمبر: ۵۲، ۵۳ میں اللہ تعالیٰ نے اس فعل پر یہودیوں کی توبیخ کی ہے اور فرمایا ہے کہ: اگر زمین پر ان کو اقتدار اور فرماں روائی حاصل ہوجائے اور یہ زمین کے سیاہ و سفید کے مالک بن جائیں ؛ تو دیگر لوگوں کو یہ بے دخل کر دیں اور انھیں رہائش اور سکونت کے لیے ایک تل کے برابر بھی جگہ نہ دیں، آج فلسطینیوں کے ساتھ یہودی جو ظالمانہ سلوک کر رہے ہیں وہ دنیا کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

آیت نمبر: ۵۴ میں یہودیوں کی گندی جبلت اور سرشت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ ان لوگوں پر حسد کرتے ہیں؛ جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کی بارش کی ہے، بالخصوص یہ حضور ﷺ اور دیگر اہل ایمان سے کڑھتے ہیں اور ان سے قلبی رنجش اور عداوت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جو نبوت و نصرت، غلبہ اور عزت عطا فرمائی ہے اس سے یہ جلتے ہیں۔

پھر آیت نمبر: ۵۵ میں فرمایا گیا کہ: پھر یہود میں سے کچھ لوگوں نے ایمان و اسلام کی طرف پیش قدمی کی اور عقیدۂ توحید اور حضور ﷺ کی نبوت و رسالت پر ایمان لے آئے مثلاً: حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھ والے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور کچھ لوگوں نے منہ پھیر لیا مثلاً: کعب بن اشرف اور حی بن اخطب وغیرهما . خذلهم الله تعالیٰ۔

۱- تفسیر ابی سعود، ج:۲، ص:۱۸۹

اب اس کے بعد ہم سورۂ نسا کی آیت:۵۶ کی طرف آتے ہیں جس پر وسیم رضوی نے اعتراض کیا ہے اور اسے اپنی پٹیشن میں داخل کیا ہے اور وائرل ویڈیو میں اس نے اس کا ترجمہ پیش کیا ہے۔

آیت مبارکہ:"اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا" میں دو احتمال ہیں:

(۱)اس سے عہد رسالت کے کفار مراد ہیں مثلاً: یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار و مشرکینِ عرب۔

(۲)اولین و آخرین کفار مراد ہیں مثلاً: ماقبلِ عہدِ رسالت، عہد رسالت، مابعد عہدِ رسالت

پہلی تقدیر پر آیات سے آیاتِ قرآن، حضور ﷺ کے جملہ معجزات، آپ سے صادر تمام ارشادات، احکام و قوانین مراد ہیں اور دوسری صورت میں آیات سے چار مشہور آسمانی کتابیں مثلاً: توریت، انجیل، زبور، قرآن اور ایک سو کی تعداد میں غیر مشہور صحیفے مراد ہیں حضرت آدم علیہ السلام پر دس، حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس جیسا کہ مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

"اَلْکُتُبُ الْمَنْزَلَۃُ مِاَۃٌ وَّ اَرْبَعُ کُتُبٍ، مِنْهَا: عَشْرُ صَحَائِفَ نَزَلَتْ عَلَى آدَمَ وَ خَمْسُوْنَ عَلَى شِيْثَ وَ ثَلَاثُوْنَ عَلَى إِدْرِيْسَ وَ عَشَرَةٌ عَلَى إِبْرَاهِيْمَ وَ الْاَرْبَعَةُ السَّابِقَةُ وَ أَفْضَلُهَا الْقُرْآنُ."[1]

اور وہ تمام معجزات، شواہد واحکام مراد ہیں جو گزشتہ تمام انبیا ورسل کو عطا کیے گئے ہیں جیسا کہ تفسیر ابی سعود میں اس آیت کے تحت ہے:

"إِنْ أُرِيْدَ بِهِمِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَالْمُرَادُ بِالْآيَاتِ إِمَّا الْقُرْآنُ أَوْ مَا يَعُمُّ كُلَّهُ وَ بَعْضَهُ أَوْ مَا يَعُمُّ سَائِرَ مَعْجِزَاتِهِ أَيْضًا

۱-مرقاۃ المفاتیح، ج:۱، ص:۱۱۷

الخ.“[1]

اس توضیح و تشریح کے بعد اب ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیتِ مبارکہ میں تمام منکرینِ آیات کی زجرو توبیخ اور ان پر وعید کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ: ”جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے، جب کبھی ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انہیں بدل دیں گے کہ عذاب کا مزہ لیں، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔“(کنزالایمان)

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جلی ہوئی کھال نئی کھال سے بدل دی جائے گی جو شکل وصورت میں پہلی کھال سے الگ ہوگی، لیکن از روئے مادہ وہ وہی کھال ہوگی یعنی صرف وصف میں تبدیلی ہوگی مادہ وہی رہے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”یُبَدَّلُوْنَ جُلُوْدًا بَیْضَاءَ کَأَمْثَالِ الْقَرَاطِیْسِ.“[2]

ان کی سیاہ کھال کاغذ کے مانند سفید کھال سے بدل دی جائے گی یا پھر گوشت سے ہی نئی کھال نکل آئے گی جیسا کہ دنیا میں جب جلد جل جاتی ہے تو علاج و معالجہ کے بعد کچھ ہی دنوں میں نئی جلد نکل آتی ہے، کھال میں تبدیلی کا عمل اس لیے ہوگا تاکہ قوت احساس ان کے اندر ختم نہ ہونے پائے، اس لیے کہ تعذیب و تنعیم احساس کے بغیر بے معنی ہیں، اس طرح وہ مسلسل آیات الٰہی کے انکار کا مزہ چکھتے رہیں گے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

اس آیت میں رب ذوالجلال نے جو وعید قائم کی ہے وہ فطرت کے تقاضے کے عین مطابق ہے ظاہر ہے جو آیات الٰہی کا منکر ہو، اس کے وضع کردہ قوانین کے خلاف علم بغاوت بلند کرے، اس کی بتائی ہوئی روش پر نہ چلے اس کے بھیجے ہوئے نبیوں اور رسولوں کی تکذیب اور ان کے خلاف سازش کرے ان کے قتل کے منصوبے بنائے اللہ

۱- تفسیر ابی سعود ج:۲، ص:۱۹۱

۲- تفسیر ابی سعود ایضا

کی عبادت کے بجاے اپنے ہاتھوں کے تراشیدہ بتوں کی پرستش کرے، وہ بت جو پرستش کرنے کی صورت میں اپنے پجاریوں کو کوئی نفع نہیں دے سکتے اور پرستش نہ کرنے کی صورت میں انہیں کوئی ضرر بھی نہیں پہنچا سکتے حتی کہ وہ خود اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ"۔[1]

ایسے منکرین کو اللہ تو سزا دے گا ہی اور یہ دنیاوی حکومتوں کا بھی نظام ہے مثلاً ہمارے ہی ملک میں آپ دیکھ لیں جزا اور سزا کا عمل جاری ہے جو بھی ملکی قوانین کا احترام نہیں کرتا ہے اسے سزا کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے اور جیسا جرم ہوتا ہے اسی کے اعتبار سے ملک کی آئینی دفعات میں اس کی سزا کا التزام بھی کیا گیا ہے، اگر کوئی ملک کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے اور غداری کا مرتکب ہوتا ہے تو ہمارے آئین میں اس کے لیے عمر قید یا پھانسی کی سزا کا التزام کیا گیا ہے جیسا جرم ویسی سزا۔ کما تدین تدان.

اور ایسا نہیں ہے کہ قرآن میں صرف کفار و مشرکین کے لیے ہی وعید کی گئی ہے، بلکہ عصاۃ (گنہ گار) مومنین کے لیے بھی قرآن میں وعیدیں آئی ہیں وسیم رضوی کو یہ آیات تو قرآن میں نظر آگئیں لیکن ان آیات پر اس کی نظر نہیں پڑی جن میں بے نمازی مسلمانوں کے دردناک عذاب کو بیان کیا گیا ہے اور ان کی سخت زجر و توبیخ کی گئی ہے مثلاً یہ آیت مبارکہ:

"فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵"[2]

"تو ان نمازیوں کے لیے خرابی ہے۔ جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔" (کنزالایمان)

(ویل جہنم کی اس وادی کا نام ہے جس کی سختی سے جہنم بھی پناہ مانگتا ہے)

اسی طرح قرآن پاک کی یہ آیت:

۱- الحج، آیت: ۱۲

۲- الماعون، آیت: 4, 5

”فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ...الآیۃ“[1]

”تو ان کے بعد وہ نالائق لوگ ان کی جگہ آئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی تو عن قریب وہ جہنم کی خوفناک وادی غی سے جاملیں گے۔“(کنزالایمان)
(غی جہنم کی ایک گرم نہر یا جہنم کی ایک وادی ہے)

اسی طرح قرآن پاک کی یہ آیت جس میں مانعین زکات کے لیے نہایت سخت وعید آئی ہے:

”وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ“ الآیۃ۔[2]

”اور وہ لوگ جو سونا اور چاندی جمع کرر کھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری سناؤ۔ جس دن وہ مال جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیوں اور ان کے پہلوؤں اور ان کی پشتوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کرر کھا تھا تو اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھے ہو۔“

اس طرح کی بہت سی آیات ہیں ہم نے یہاں بطور نمونہ صرف تین آیتوں کو ذکر کیا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ قرآن میں مومنین اور کفار دونوں کے لیے وعیدیں آئی ہیں لہٰذا اسلام دشمن عناصر کو ان آیات پر بھی نظر رکھنی چاہیے جن میں مومنین کے لیے بھی وعیدوں کا ذکر ہے۔ قرآن مقدس میں جیسا جرم ویسی سزا کا ضابطہ پیش کیا گیا ہے۔

پانچویں آیت:

”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ

۱- مریم، آیت:۵۹

۲- التوبہ، آیت:۳۴،۳۵

الظّٰلِمُوْنَ."[1]

"اے ایمان والو! اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔" (کنزالایمان)

چھٹویں آیت:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ."[2]

"اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے بے شک اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دیتا۔" (کنزالایمان)

ساتویں آیت:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ."[3]

"اے ایمان والو! جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنالیا ہے وہ جو تم سے پہلے کتاب دیے گئے اور کافران میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اگر ایمان رکھتے ہو۔" (کنزالایمان)

۱- التوبہ، آیت: ۲۳

۲- المائدہ، آیت: ۵۱

۳- المائدہ، آیت: ۵۷

ان آیات کو بھی وسیم رضوی نے اپنی عرضی میں یہ نوٹ لگا کر پیش کیا ہے کہ یہ آیات ملک میں نفرت اور تشدد کو ہوا دیتی ہیں۔ (العیاذ باللہ)

ان آیات میں چوں کہ منہی عنہ (جس سے روکا گیا ہے) مشترک ہے اس لیے ہم نے اس قسط میں ایک ساتھ ان تینوں آیات کو شامل کرلیا ہے تاکہ جواب کا بار بار اعادہ نہ کرنا پڑے ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہود و نصاریٰ، کفار و مشرکین اور مرتدین سے موالات (دوستی) سے منع فرمایا ہے اور ان سے دوستی رکھنے والوں پر اپنی سخت ناراضگی اور برہمی کا بھی اظہار کیا ہے لیکن اس پر روشنی ڈالنے سے پہلے ہم اسلام دشمن عناصر پر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے یہ انسانوں کی زندگی سے کھلواڑ کرنے کے لیے نہیں آیا ہے بلکہ انسانی زندگی کو بنانے، سنوارنے اور اسے نوع بنوع ترقیات سے ہمکنار کرکے درجۂ کمال پر فائز کرنے کے لیے وجود میں آیا ہے لہٰذا یہاں پر وسیم رضوی اور اسلام دشمن عناصر کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ان آیات میں یہود و نصاریٰ، کفار و مشرکین اور مرتدین سے دوستی رکھنے سے منع کیا گیا ہے لیکن ان سے معاملات یعنی خرید و فروخت، لین دین، اٹھنے بیٹھنے، مل جل کر زندگی بسر کرنے اور دیگر دنیوی معاملات سے منع نہیں کیا گیا ہے لہٰذا قرآن پر نفرت اور تشدد کو ہوا دینے کا الزام لگانے والے یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ موالات (دوستی) اور معاملات دو الگ الگ چیزیں ہیں دونوں میں سے کوئی بھی کسی کے لیے لازم اور ملزوم نہیں ہے ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی سے زندگی بھر آپ کے معاملات ہوں، لین دین ہو، اٹھنا بیٹھنا ہو مگر اس سے برائے نام بھی آپ کی دوستی اور تعلق خاطر نہ ہو اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی سے آپ کی دوستی ہو، محبت ہو، دلی وارفتگی اور لگاؤ ہو لیکن زندگی بھر آپ کا اس سے کوئی بھی لین دین، مدارات اور معاشرت نہ ہو اس سے یہ واضح ہو گیا کہ دوستی کے لیے معاملات لازم ہیں نہ ہی معاملات کے لیے موالات اور دوستی لازم ہے۔ موالات اور دوستی الگ

چیز ہے اور معاملات اور معاشرت الگ چیز ہے۔ اللہ تعالی نے ان آیات میں یہود و نصاری، کفار و مشرکین اور مرتدین کے ساتھ دوستی سے منع فرمایا ہے ان کے ساتھ معاملات رکھنے اور معاشرت سے منع نہیں کیا ہے اور موالات (قلبی دوستی) سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ضرورت سے زیادہ تعلق خاطر رکھنے، ان کو دل میں بٹھانے یا ان کے دل میں بیٹھ جانے سے مسلمان اپنا دین و ایمان ہی گنوا بیٹھیں اور ان کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنا قومی اور ملی راز ہی ان کو دے بیٹھیں اور اسلام سے پھر جائیں جیسا کہ وسیم رضوی آج اس کی زندہ مثال ہے یہ ان سے موالات اور قلبی لگاؤ کا ہی کرشمہ ہے کہ اس نے اللہ و رسول کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ہے اور خلفائے ثلاثہ پر الزام لگا رہا ہے اور اپنے دین و ایمان سے مرتد ہو کر یہود و نصاری کی گود میں بیٹھ کر ان کی زبان بول رہا ہے دنیا کو یہ اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ اسلام قومی یکجہتی کو فروغ دینے، برادران وطن کے ساتھ حسب ضرورت اٹھنے بیٹھنے، مل جل کر زندگی بسر کرنے اور ان کے ساتھ کار و بار تجارت کرنے اور کرانے یا ان کے ساتھ مل کر رفاہ عام کا کوئی کام کرنے کا مخالف نہیں ہے بلکہ ان کے ساتھ موالات (دوستی) سے مانع ہے اور یہ صرف اسلام ہی نہیں بلکہ خود ہمارے اور دیگر ممالک کا آئین بھی اس کا داعی ہے کہ کسی بھی دشمن ملک کے ساتھ اس حد تک دوستی نہ کی جائے کہ اپنا قومی اور ملکی راز ان پر ظاہر کر دیا جائے ان کے ساتھ تعلق بنانے میں اس حد تک آگے نہ جایا جائے کہ اپنی فوجی، عسکری اور دیگر رازدارانہ سرگرمیاں ان پر ظاہر کر کے ملک کی سکیورٹی کو ہی داؤ پر لگا دیا جائے اور شہریوں کی زندگی کے ساتھ کھلواڑ کیا جائے اور اگر کوئی اس کا مرتکب ہوتا ہے تو اس پر ملک سے غداری کی دفعات عائد کر کے مقدمہ چلایا جاتا ہے اور اسے تختۂ دار پر چڑھا دیا جاتا ہے تاکہ اوروں کے لیے یہ سامان عبرت اور نصیحت ہو۔

ہم نے ماقبل میں جو کچھ بیان کیا ہے اب ہم اس پر کچھ شواہد پیش کرتے ہیں:

جب سورۂ ممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں مثلاً: ”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ“[1] ”اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔“ (کنزالایمان)

تو اہل ایمان نے اپنے اہل قرابت سے عداوت رکھنے میں تشدد سے کام لیا اور اس معاملہ میں ان سے بہت سخت ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (خزائن العرفان)

”لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ لَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ“[2]

”اللہ تمھیں ان سے منع نہیں کرتا ہے جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو بے شک انصاف والے اللہ کے محبوب ہیں۔“ (کنزالایمان)

اس آیت کی تفسیر کے تحت صاحب تفسیر ابی سعود فرماتے ہیں:

”أَیْ لَا یَنْهَاکُمْ عَنِ الْبِرِّ بِهٰؤُلَاءِ فَاِنَّ قَوْلَهٗ تَعَالَی (اَنْ تَبَرُّوْهُمْ) بَدَلٌ مِنَ الْمَوْصُوْلِ (وَتُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْ) أَیْ تُفْضُوْا إِلَیْهِمْ بِالْقِسْطِ أَیْ الْعَدْلِ (اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ) أَیِ الْعَادِلِیْنَ.“[3]

جس کا حاصل یہ ہے کہ جن لوگوں نے تمھارے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کیا ہے اور تمہیں تمھارے گھروں سے دربدر نہیں کیا ہے اللہ! تمہیں ان کے ساتھ بھلائی، حسن سلوک اور عادلانہ برتاؤ سے منع نہیں کرتا ہے۔

۱-الممتحنہ، آیت:۱

۲-الممتحنہ، آیت:۸

۳-تفسیر ابی سعود ج۸ ص۲۳۸

اسی طرح اس آیت کی تفسیر میں صاحب مدارک فرماتے ہیں:

"تُكْرِمُوْهُمْ وَ تُحْسِنُوْا إِلَيْهِمْ قَوْلًا وَ فِعْلًا."[1]

اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ جن لوگوں نے تم پر زیادتی نہیں کی ہے تم ان کی عزت کرو اور ان کے ساتھ قولاً و فعلاً بھلائی اور احسان کرو پھر اس کے بعد فرق بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ"[2]

"اللہ تمھیں ان سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑے یا تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا یا تمھارے نکالنے پر مدد کی کہ ان سے دوستی کرو اور جو ان سے دوستی کرے تو وہی ستمگار ہیں۔" (کنزالایمان)

اب ہم فتاوی رضویہ شریف سے کچھ حوالے نقل کرتے ہیں کہ سیدی امام احمد رضا قدس سرہ کی تحقیق ہمارے لیے حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔

امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ آیات ممتحنہ میں بِرّ و معاملات سے کیا مراد ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس تحقیق سے روشن ہوا کہ آیتِ کریمہ "لَا یَنْهٰىكُمُ" میں بِرّ سے صرف اوسط مراد ہے کہ اعلیٰ (موالات کی قسم اعلیٰ، رکون، وداد، اتحاد، انقیاد، تبتل) معاہد سے بھی حرام اور ادنیٰ (موالات کی قسم ادنیٰ مثلاً معاملات، مدارات) غیر معاہد سے بھی جائز اور آیت فرق کے لیے اتری ہے نیز ظاہر ہوا کہ آیتِ کریمہ "اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ" میں "لا تولوھم" سے یہی بِرّو

۱- مدارک، الجزء الثالث ص ۲۴۸ مطبع جاملی محلہ ممبئی نمبر ۳

۲- الممتحنہ، آیت:۹

صلہ مراد ہے تاکہ مقابلہ اور فرق فریقین ظاہر ہو۔ لاجرم تفسیر معالم اور تفسیر کبیر میں ہے:

"ثُمَّ ذَكَرَ الَّذِيْنَ يَنْهَاهُمْ عَنْ صِلَتِهِمْ فَقَالَ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللهُ الآيه"۔

پھر اللہ تعالی نے ان لوگوں کا بیان فرمایا جن سے نیک سلوک کی ممانعت ہے کہ فرمایا اللہ تمہیں ان سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑیں۔ [1]

پھر سیدی امام احمد رضا قدس سرہ ایک دوسرے مقام پر مولانا سید سلیمان اشرف بہاری پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ قدس سرہ کے ایک سوال کے جواب میں موالات کی حقیقی اقسام اور ان کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور معاشرت بضرورت و مجبوری جائز ورنہ حرام اور جواز مدارات کے لیے ضرورت اور مجبوری درکار نہیں مصلحت ہی کافی ہے یہ اقسام موالات میں ان سب سے خارج معاملہ ہے یہ ہر کافر سے ہر وقت جائز ہے مگر مرتدین سے، واللہ اعلم۔" [2]

اب ہم اختصار کے ساتھ اس قسط کی آیات کا شان نزول بیان کریں گے۔ سورۂ توبہ کی آیت ۲۳ میں جمیع اہل ایمان کو مخاطب بناتے ہوئے یہ فرمایا گیا کہ کفار و مشرکین سے موالات نہ کریں اور یہ آیت مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب مکہ کے حالات انتہائی جاں گسل ہوگئے تو صحابہ کو ہجرت کر جانے کا حکم دیا گیا اس پر بعض لوگوں نے یہ کہا کہ یہ کیوں کر ممکن ہے کہ انسان اپنے ماں باپ، بھائی بہن، عزیز و اقارب، زمین و جائداد، اور گھر بار کو چھوڑ کر ترک وطن کر جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی جیسا کہ تفسیر ابی سعود میں ہے:

"وَالْآيَةُ نَزَلَتْ فِي الْمُهَاجِرِيْنَ لَمَّا أُمِرُوْا بِالْهِجْرَةِ فَقَالُوْا إِلَى آخِرِهِ۔" [3]

۱- فتاوی رضویہ شریف ج ۱۴ ص ۴۶۹ مطبع مرکز اہل سنت برکات رضا پوربندر گجرات

۲- فتاوی رضویہ شریف، ج ۶ ص ۱۱۰ مطبع رضا اکیڈمی ممبئی

۳- تفسیر ابی سعود، ج ۴ ص ۵۴

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابۂ کرام نے اللہ و رسول کے حکم پر اتنی سختی کے ساتھ عمل در آمد کیا کہ ان کے پاس ان کے عزیز و اقارب آتے لیکن وہ ان پر کوئی توجہ نہ دیتے نہ انھیں اپنے پاس ٹھہراتے نہ ان پر کچھ خرچ کرتے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مرتد ہو کر مکہ لوٹ گئے تھے۔[1]

سورۂ مائدہ کی آیت ۵۱ میں علی سبیل التغلیظ اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ دوستی اور موالات یعنی ان کی مدد کرنا اور ان سے مدد چاہنا اور ان سے قلبی روابط رکھنا منع ہے یہ حکم عام ہے اگر چہ اس کا نزول حضرت عبادہ بن صامت صحابیٔ رسول ﷺ اور عبد اللہ بن اُبیّ ابن سلول منافقین کے سردار کے بارے میں نازل ہوئی ہے تفصیل تفسیر میں موجود ہے۔

سورۂ مائدہ کی آیت ۵۷ رفاعہ بن زید، اور سوید بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے پہلے اپنا اسلام ظاہر کیا پھر انہوں نے منافقت کی کچھ مسلمان ان کی منافقت کے باوجود ان سے قلبی لگاؤ رکھتے تھے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جیسا کہ مدارک میں ہے:

”وَ رُوِیَ اَنَّ رِفَاعَةَ بْنِ زَیْدٍ وَ سُوَیْدَ ابْنِ الْحَارِثِ قَدْ اَظْهَرَ الْإِسْلَامَ ثُمَّ نَافَقَا وَ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یُوَادُوْنَهُمَا فَنَزَلَ .“[2]

آٹھویں آیت:

”وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی

۱- ایضًا
۲- الجزء الثانی، ص ۲۹۰ مطبع اصح المطابع ممبئی

يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ.''[1]

''اور کافروں کو جہاں پاؤ مارو اور انہیں نکال دو جہاں سے انھوں نے تمھیں نکالا تھا اور ان کا فساد تو قتل سے بھی سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں اور اگر تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو کافروں کی یہی سزا ہے۔''(کنزالایمان)

نویں آیت:

''وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا''[2]

''وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو تم سب ایک سے ہو جاؤ تو ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں پھر اگر وہ منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں کسی کو نہ دوست ٹھہراؤ نہ مددگار۔''(کنزالایمان)

دسویں آیت:

''اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ، وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.''[3]

''بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لیے ہیں اس بدلے

۱-البقرۃ، آیت:۱۹۱

۲-النساء، آیت:۸۹

۳-التوبۃ، آیت:۱۱۱

پر کہ ان کے لیے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں اور مریں اس کے ذمۂ کرم پر سچا وعدہ توریت اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون تو خوشیاں مناؤ اپنے سودے کی جو تم نے اس سے کیا ہے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔" (کنزالایمان)

گیارہویں آیت:

"قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ."[1]

"تو ان سے لڑو اللہ انھیں عذاب دے گا تمھارے ہاتھوں اور انھیں رسوا کرے گا اور تمھیں ان پر مدد دے گا اور ایمان والوں کا جی ٹھنڈا کرے گا۔" (کنزالایمان)

ان چار آیات پر بھی تشدد اور نفرت کو ہوا دینے کا الزام ہے۔ العیاذ باللہ۔ چوں کہ ان چاروں آیات میں قدر مشترک قتال ہے اس لیے ہم نے اختصار کی غرض سے ان ساری آیات کو اس قسط کے مشمولات میں جمع کر دیا ہے۔ ان آیات کے خدوخال، مالہ وما علیہ پر روشنی ڈالنے سے پہلے ہم برادران وطن اور فرزندان اسلام پر یہ واضح کر دیں کہ جب آپ ان آیات کے معنی ومفہوم، شان نزول، سیاق و سباق پر عصبیت کا پردہ ہٹا کر دیانت داری کے ساتھ نظر ڈالیں گے تو آپ پر اچھی طرح واضح ہو جائے گا کہ یہ آیات یا تو دشمن کے خلاف دفاع یا نقض معاہدہ کی وجہ سے کفار و مشرکین کے سبق سکھانے کے مفہوم پر مشتمل ہیں ان میں سے کسی بھی آیت میں اہل ایمان کو بلاوجہ اپنے مد مقابل اور حریف کے خلاف جارحانہ کارروائی، قتل و غارت گری اور ناجائز اقدام کا حکم یا اجازت نہیں دی گئی ہے۔

قرآن مقدس میں بہت سی آیات ایسی ہیں جن کا اپنے ماقبل و مابعد، سیاق وسباق کے ساتھ اتنا گہرا ربط و ضبط ہے کہ جب تک ان کو پیش نظر نہیں رکھ لیا جاتا ان کا مفہوم

۱- التوبۃ، آیت: ۱۴

سمجھنانہایت مشکل ہے بلکہ بہت سی آیات ایسی ہیں کہ اگران کے ماقبل اورمابعد کوان کے ساتھ نہیں جوڑلیاجاتاتوعکس مطلوب لازم آئے گا۔ تقریب فہم کے لیے میں اس کی ایک واضح مثال پیش کرتاہوں:

یہ کون نہیں جانتاکہ ہرعاقل وبالغ مسلمان پرنماز فرض ہے؟قرآن وحدیث میں اس کا تاکید کے ساتھ حکم دیاگیاہے مثلاً: ''وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ''[1] ''اَقِمِ الصَّلٰوةَ''[2] ''حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ.''[3]

اسی طرح احادیث میں بھی اس کی فضیلت وافادیت پرروشنی ڈالی گئی ہے حتیٰ کہ اسے شرائع دین میں سے قرار دیاگیاہے۔ اب اگروسیم رضوی جیسے لوگ قرآن کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہوئے یہ کہیں کہ یہ غلط ہے اللہ کا پیغام دوطرح کانہیں ہوسکتا ہے لہٰذاقرآن سے ان آیات کوڈیلیٹ کردیاجائے کیوں کہ قرآن میں صاف لفظوں میں آیاہے:

''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ''[4]

اے ایمان والونماز کے قریب نہ جاؤ۔

توبرادران وطن یاہمارے ملک کی عدالت عالیہ (سپریم کورٹ) وسیم رضوی کی شاطرانہ چال کونہیں سمجھے گی؟ اورآنکھ بندکرکے اس کی بات کایقین کرلے گی؟ اوریہ فیصلہ سنادے گی کہ مسلمان اب آج سے نماز کے قریب نہ جائیں اوروسیم رضوی کے کتر بیونت (کاٹ چھانٹ) کاپردہ یہ کہ کرچاک نہیں کرے گی کہ وسیم رضوی دنیاکی آنکھوں میں دھول جھونک رہاہے اس نے ''لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ'' کے بعد ''وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى''

۱-البقرۃ، آیت:۴۳

۲-بنی اسرائیل، آیت:۷۸

۳-البقرۃ، آیت:۲۳۸

۴-النساء:۴۳

کو چھوڑ دیا ہے اور پوری آیت یہ ہے: ”یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ.“[1]

”اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک اتنا ہوش نہ ہو کہ جو کہو اسے سمجھو۔“ (کنزالایمان)

قرآن فہمی کوئی آسان کام نہیں ہے اس کے لیے توفیق الٰہی درکار ہے۔

میری ان باتوں سے آپ یقیناً سمجھ گئے ہوں گے کہ یہاں پر دیانت داری کو بالائے طاق رکھ کر بڑی چابک دستی سے کام لیتے ہوئے اپنے مطلب کا مضمون اخذ کر لیا گیا ہے اور جہاں پر آیت کے سیاق و سباق کو پیش کرنا بے حد ضروری تھا وہاں پر کمال ہوشیاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے قطع و برید (کاٹ چھانٹ) سے کام لیا گیا ہے جو دیانت داری کے تقاضے کے سخت خلاف ہے۔ اتنی وضاحت کے بعد اب ہم سیاق و سباق کے ساتھ ان آیات کا صحیح معنی و مفہوم مستند تفاسیر کی روشنی میں آپ کے روبرو کرتے ہیں تا کہ برادران وطن کے ذہن میں ان آیات کے تعلق سے اگر کوئی خلجان پیدا ہو رہا ہے تو وہ بآسانی دور ہو جائے۔

اس قسط میں شامل سورۂ بقرہ کی آیت (۱۹۱) جو اس ساتویں قسط میں سب سے پہلے نمبر پر ہے وہ ماقبل کی آیت: ۱۹۰ سے مربوط ہے اسے جب تک مطمح نظر نہیں رکھا جائے گا اس آیت کا مفہوم صحیح طرح نہیں سمجھا جا سکتا ہے؛ لہٰذا آیت ۱۹۱ کا مفہوم سمجھانے کے لیے ہم آپ کے سامنے آیت: ۱۹۰ اور اس کا معنی و مفہوم، شان نزول رکھتے ہیں۔

آیت مبارکہ: ”وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ“[2] سے متصلاً پہلے قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ ہے:

” وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

۱- النساء: ۴۳

۲- البقرۃ، آیت: ۱۹۱

يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾" [1]

"اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو اللہ پسند نہیں رکھتا ہے حد سے بڑھنے والوں کو۔" (کنزالایمان)

اب آپ اس کے بعد آیت: ۱۹۱ کو اس کے ساتھ جوڑ کر پڑھیں تو وسیم رضوی جو خلجان پیدا کر رہا ہے وہ خود بخود دور ہو جائے گا اور آپ پر یہ واضح ہو جائے گا کہ اس آیت میں دشمن کے خلاف جارحیت کا حکم نہیں دیا گیا ہے بلکہ دشمن کی جارحیت کے خلاف اہل ایمان کو اپنے دفاع کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ اس آیت میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور اسی کے ساتھ اس پر بھی تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم حد سے آگے نہ بڑھو یعنی تم جنگ میں پہل کر کے یا کسی معاہد کو قتل کر کے یا اچانک حملہ کر کے اور حملہ کرنے کی صورت میں مقتول کا مثلہ (اعضاے بدن کو کاٹ کر الگ کر دینا) کر کے اور لڑائی میں اسلام نے جن کے قتل سے باز رہنے کا حکم دیا ہے مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، راہب (تارک الدنیا) وغیرہ کو قتل کر کے تم انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہ کرو اور پھر مزید تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ مسلمانو! تم یہ بات ذہن میں جاگزیں کر لو کہ اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ جیسا کہ تفسیر ابی سعود میں "وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ" کی تفسیر میں ہے:

"مَعْنَاهُ الَّذِيْنَ يُنَاصِبُوْنَكُمُ الْقِتَالَ وَ يَتَوَقَّعُ مِنْهُمْ ذٰلِكَ دُوْنَ غَيْرِهِمْ مِنَ الْمَشَائِخ وَالصِّبْيَانِ وَ الرُّهْبَانَةِ وَالنِّسَاءِ."

یعنی تم اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑائی کرتے ہیں ان سے لڑائی نہ کرو جو تم سے لڑائی نہیں کرتے ہیں مثلاً فلاں فلاں۔

اور "وَلَا تَعْتَدُوْا" کی تفسیر میں ہے:

۱- البقرۃ، آیت: ۱۹۰

”وَلَا تَعْتَدُوْا بِإِبْتِدَاءِ الْقِتَالِ أَوْ بِقِتَالِ الْمُعَاهِدِ وَالْمُفَاجَأَةِ مِنْ غَيْرِ دَعْوَةٍ أَوْ بِالْمُثْلَةِ وَ قَتْلِ مَنْ نُهِيْتُمْ عَنْ قَتْلِهِ مِنَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ وَ مَنْ يَجْرِيْ مَجْرَاهُمْ.“[1]

اور مدارک میں بھی اس کی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تمھارے حریف تم سے جنگ میں پہل کرتے ہیں، معاہدہ کے باوجود عہد شکنی کرتے ہیں اور تم سے بر سرپیکار ہونا چاہتے ہیں اور کیے ہوئے عہد کو بالاے طاق رکھ کر تم سے جنگ پر آمادہ ہیں تو تم اپنے دفاع میں ”وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ“ جہاں پاؤ انھیں مارو اور جیسے انھوں نے تمھیں تمھارے گھروں (مکۃ المکرمہ) سے نکال دیا تھا تم بھی انہیں ان کے گھروں سے دربدر کردو، وغیرہ۔ اس سے یہ عیاں ہو گیا کہ اس آیت میں مسلمانوں کو جارحیت اور حقوق انسانی کی خلاف ورزی کرنے والوں کے خلاف جم کر مقابلہ کرنے اور اپنے دفاع کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حق آج کی دنیا میں بھی ہر کسی کو حاصل ہے اور ساری دنیا کی حکومتیں اسی کی داعی اور اسی پر عمل پیرا ہیں اور ہم آپ کو یہ بھی بتادیں کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۱،۱۹۰ کا نزول اس معاہدے کے بعد ہوا جو ۶ ھ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور کفار و مشرکین مکہ کے مابین حدیبیہ کے مقام پر ہوا جسے آج کل ”شمیسی“ کہا جاتا ہے جو مکہ مکرمہ سے ۲۲ یا ۲۳ کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے یہ معاہدہ تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے معاہدے پر عمل کرتے ہوئے مسلمان حدیبیہ (شمیسی) سے بغیر عمرہ ادا کیے مدینے لوٹ گئے اور معاہدہ کے مطابق جب انہیں آئندہ سال عمرہ کے لیے مکۃ المکرمہ آنا ہوا تو انہیں اندیشہ ہوا کہ مشرکین مکہ اس معاہدے پر عمل نہیں کریں گے اور مسلمانوں سے شہر حرام میں حرم میں جنگ کریں گے جو انہیں ناگوار تھا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے انھیں یہ اجازت دی کہ اگر کفار و مشرکین مکہ

۱- تفسیر ابی سعود ج ۱ ص ۲۰۴

معاہدے کی پاسداری نہیں کرتے ہیں اور تم سے جنگ میں پہل کرتے ہیں تو تم جہاں پاؤ خواہ حل ہو یا حرم وہاں ان سے جنگ کرو اور جیسے انہوں نے تمھیں تمھارے وطن مکہ سے نکال دیا تھا تم بھی غالب آنے کے بعد وہاں سے انہیں نکال دو البتہ تم اتنا ضرور خیال رکھنا کہ مسجد حرام (حرم) میں ان سے اس وقت تک جنگ نہ کرنا جب تک کہ وہ تم سے وہاں جنگ نہ کریں۔ (آیت نمبر ۱۹۱ میں اللہ تعالیٰ نے در پردہ مسلمانوں کو فتح مکہ کی بشارت دی ہے)

اتنی وضاحت کے بعد اب آپ کے ذہن میں یہ بات آگئی ہوگی کہ اس آیت میں مسلمانوں کو ہرگز ہرگز یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ برادران وطن کو بلا وجہ جہاں پائیں ماریں اور انہیں ان کے گھروں اور ملک سے دربدر کر دیں جیسا کہ وسیم رضوی یا اسلام اور مسلم دشمن عناصر اس آیت کا یہی مفہوم بیان کر کے ملک میں آگ لگانے کے درپے ہیں۔

(۹)۔ ”وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا الی آخر الآیۃ“[1]

سورۂ نسا کی اس آیت کا بھی تعلق ماقبل کی آیت نمبر:۸۸ سے ہے جو یہ ہے:

”فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا.“[2]

”تو تمھیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہو گئے اور اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کے کوتکوں کے سبب کیا یہ چاہتے ہو کہ اسے راہ دکھاؤ جسے اللہ نے گمراہ کیا اور جسے اللہ گمراہ کرے تو ہرگز تو اس کے لیے کوئی راہ نہ پائے گا۔“ (کنزالایمان)

اس کا شان نزول یہ ہے کہ منافقین کی ایک جماعت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت سے جہاد کے لیے نکلی اور ابھی کچھ ہی دور گئی تھی کہ غداری کرتے ہوئے مشرکین سے جا

۱-النساء، آیت:۸۹

۲-النساء، آیت:۸۸

ملی ان کے بارے میں مسلمانوں کے مابین اختلاف رائے ہو گیا بعض لوگوں نے کہا کہ یہ کافر ہیں اور بعض نے کہا مسلمان ہیں اس وقت سورۂ نساء کی آیت نمبر ۸۸ کا نزول ہوا جس میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ ان کے بارے میں اختلاف رائے نہ کریں ان کے ارتداد اور کفار و مشرکین کے ساتھ جا ملنے کے سبب اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ہے جیسا کہ مدارک میں ہے:

”إِنَّ ذٰلِكَ قَوْمًا مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ اسْتَاذَنُوْا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فِى الْخُرُوْجِ اِلىٰ البدو معتلين بِإِجْتِوَاءِ الْمَدِيْنَةِ فَلَمَّا خَرَجُوْا لَمْ يَزَالُوْا رَاحِلِيْنَ مَرْحَلَةً مَرْحَلَةً حَتّٰى لَحِقُوْا بِالْمُشْرِكِيْنَ فَاخْتَلَفَ الْمُسْلِمُوْنَ فِيْهِمْ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: هُمْ كُفَّارٌ، وَ قَالَ بَعْضُهُمْ: هُمْ مُسْلِمُوْنَ.“[1]

اس سے متّصلاً بعد ہی سورۂ نساء کی آیت نمبر ۸۹ میں انہیں منافقین کے بارے میں اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے کہ جو منافقین ایمان چھوڑ کر کفر و ارتداد کی طرف پلٹ گئے ہیں ان کی خواہش ہے کہ جیسے وہ اسلام سے پھر گئے ہیں مسلمان بھی اسلام سے پھر جائیں پھر وہ اور مسلمان کفر میں برابر ہو جائیں۔ ان کے نفاق اور غداری کی وجہ سے ہی اللہ نے مسلمانوں کو اس آیت میں یہ حکم دیا کہ وہ ان میں سے کسی کو اس وقت تک اپنا دوست نہ بنائیں جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں اور اپنے ایمان کا ثبوت نہ دے دیں کہ ان کا ایمان اللہ و رسول کی رضا کے لیے ہے کسی دنیوی منفعت کے لیے نہیں ہے پھر اگر وہ ہجرت کرنے سے منہ پھیریں اور کفر پر قائم رہنے کو اختیار کریں تو اے مسلمانو! تم انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور اگر وہ تمھاری دوستی کا دعوی کریں اور دشمنوں کے خلاف تمھاری مدد کے لیے تیار ہوں تو ان کی مدد قبول نہ کرو کیوں کہ یہ بھی

۱- مدارک الجزء الاول ص۲۴۱ مطبع اصح المطابع ممبئی

تمھارے دشمن ہیں۔[1]

اس آیت میں پیٹھ میں خنجر گھونپنے والے منافقین سے مسلمانوں کو جو قتال کا حکم دیا گیا ہے آج ساری دنیا اسی پر عمل پیرا ہے آج بھی قوم اور ملک سے غداری کرنے والوں کی یہی سزا ہے کہ انہیں تختہ دار پر چڑھا دیا جائے۔

(۱۰)-سورۂ توبہ کی آیت:۱۱۱ میں اللہ تعالی نے نہایت نفیس پیرایۂ بیان میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی ہے اور اسے اس انداز سے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کی جان و مال کو مبیع (فروخت کی جانے والی چیز) اور جنت کو ثمن (قیمت) سے تعبیر کیا ہے اور کمال لطف و کرم کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو بائع اور اپنے آپ کو خریدار بنایا ہے اور ایسی چیز کا خریدار بنایا ہے جو خود اس کی عطا کردہ اور پیدا کردہ ہے اور اس سودے پر مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ تم خوشی پر خوشی مناؤ کیوں کہ تم نے فانی چیز کو باقی چیز کے بدلے میں فروخت کیا ہے۔ اور اس آیت میں ” وَعۡدًا عَلَیۡهِ حَقًّا فِی التَّوۡرٰىةِ وَ الۡاِنۡجِیۡلِ وَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ“ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اعلاے کلمۂ حق کے لیے جہاد صرف اسی شریعت میں نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے کی شریعتوں میں بھی تھا.

(۱۱)-” قَاتِلُوۡهُمۡ یُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ “الی آخر الآیۃ

سورۂ توبہ کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان کی پامالی کرنے والے کفار و مشرکین عرب کے ساتھ مسلمانوں کو قتال کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ اس سے پہلے کی آیت نمبر:۱۳ اس پر دلیل ہے:

” اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّکَثُوۡۤا اَیۡمَانَهُمۡ وَ هَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَ هُمۡ بَدَءُوۡکُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ “[2]

۱-روح البیان، النساء، تحت الآیۃ: خازن، النساء، تحت الآیۃ:، ملتقطاً

۲-التوبہ، آیت:۱۳

” کیا اس قوم سے نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا حالاں کہ انہیں کی طرف سے پہل ہوئی ہے کیا ان سے ڈرتے ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔“ (کنزالایمان)

ماقبل میں بار بار اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ سورۂ توبہ کی بیشتر آیات میں مسلمانوں کو جن کفار و مشرکین سے قتال کا حکم دیا گیا ہے وہ عام کفار و مشرکین نہیں ہیں بلکہ اس سے وہ کفار و مشرکین عرب اور یہود مراد ہیں جنہوں نے معاہدۂ امن کی خلاف ورزی کی۔

بارہویں آیت:

”قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ“[1]

”لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی وہ جو کتاب دیے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں ذلیل ہو کر۔“ (کنزالایمان)

سورۂ توبہ کی اس آیت میں اہل ایمان کو اہل کتاب یہود و نصاریٰ سے اس وقت تک جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے؛ جب تک کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے جزیہ ادا کرنے پر آمادہ نہ ہو جائیں، چوں کہ یہ آیت جزیہ کے وجوب اور اس کی مشروعیت کی طرف مشعر ہے اس لیے ہم یہاں پر جزیہ اور اس جیسے دیگر محاصل پر مختصراً روشنی ڈالیں گے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اہل کتاب یا غیر مسلم اقلیت کے ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں سے

۱-التوبہ، آیت:۲۹

بھی بصورت زکات اس قسم کے محاصل وصول کیے جاتے تھے اور مسلمان بھی اس کی ادائیگی کے لیے پابند تھے۔

عہدِ رسالت ﷺ میں محاصل کی پانچ اقسام تھیں:

(۱)غنیمت (۲) فئ (۳) زکات (۴) جزیہ (۵) خراج

(۱) غنیمت: وہ مال ہے جو مفتوح قوم سے بوقت فتح حاصل ہوتا تھا، اس کا پانچواں حصہ اللہ و رسول کے نام پر حکومت کے مصالح اور دیگر اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے مختص تھا بقیہ مال ایک ضابطے کے تحت مجاہدین سپاہیوں میں برابر برابر تقسیم کردیا جاتا تھا۔

(۲) مال فئ: وہ مال ہے جو مسلمانوں کو کفار سے لڑائی کے بغیر حاصل ہوتا تھا مثلا: صلح وغیرہ سے یہ اللہ کے رسول ﷺ کے زیر انتظام رہتا تھا آپ اسے ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین، غریب الدیار مسافرین اور عام مسلمانوں کی ضروریات پر خرچ کرتے تھے۔

(۳) زکات: یہ صرف مسلمانوں پر فرض تھی اور چار مدوں سے وصول کی جاتی تھی: نقدی (کیش)، پھل و پیداوار، مویشی، سامانِ تجارت۔

مسلمانوں کا جذبۂ ایمانی انھیں خود صدقات و زکات پیش کرنے پر آمادہ رکھتا تھا، لیکن ایک وسیع و عریض مملکت میں محاصل کی تحصیل کے لیے باقاعدہ ایک نظام کی ضرورت تھی، اس لیے حضور سید عالم ﷺ نے مال زکات کی تحصیل کے لیے محصلین مقرر فرمائے تھے عموماً یہ خدمت ہر قبیلے کے سردار کو دی جاتی تھی تاریخ و سیر کی کتابوں میں محصلین اور عاملینِ زکات کے اسما کا شرح وبسط کے ساتھ ذکر ملتا ہے۔

(۴) جزیہ: غیر مسلم اقلیت یا رعایا سے ان کے حقوق، جان و مال، آل و اولاد کی حفاظت کے عوض میں لیا جاتا تھا عہد رسالت ﷺ میں ہر مستطیع اور بالغ مرد سے ایک دینار سالانہ وصول کیا جاتا تھا ابھی ہم اس کی مزید تفصیل کریں گے۔

(۵) خراج: (مال گزاری) یہ غیر مسلم کاشت کاروں سے زمین کے مالکانہ حق کے عوض میں وصول کیا جاتا تھا اور اس کی صورت یہ تھی کہ آپسی مفاہمت سے زمین کی پیداوار کا حصہ جس قدر طے پاتا تھا وہ ان کے ذمہ واجب الادا ہوا کرتا تھا۔ خیبر، فدک، وادی القریٰ وغیرہ سے خراج ہی وصول کیا جاتا تھا اور اس کے ساتھ اس کی سخت تاکید بھی کی جاتی تھی کہ خراج کی کوئی رقم ظلم و جبر سے نہ وصول کی جائے۔

جزیہ اور خراج کی آمدنی سپاہیوں کی تنخواہ اور جنگی مصارف میں صرف ہوتی تھی اہل و عیال والے سپاہیوں کو دو حصے اور مجرد (غیر شادی شدہ) کو ایک حصہ ملتا تھا۔

جزیہ ایک طرح سے حفاظتی ٹیکس تھا جو ذمیوں (غیر مسلم اقلیت) سے وصول کیا جاتا تھا، لیکن یہ رقم خود ان کی جان و مال کی حفاظت پر خرچ کی جاتی تھی ذمی فوجی خدمات سے مستثنیٰ تھے لیکن بعض ناگزیر حالات میں اگر ان سے فوجی خدمت لی جاتی تھی تو جزیہ کی رقم ان سے وصول نہیں کی جاتی تھی۔ اسی طرح نادار، بیکس اور معذور ذمی افراد بھی جزیہ کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھے اور یہی نہیں کہ ان سے جزیہ کی رقم نہیں لی جاتی تھی بلکہ اسلامی بیت المال سے جو ہر صوبے میں قائم تھے ان کی کفالت بھی کی جاتی تھی اور ان کی ہر طرح کی ضرورت پوری کی جاتی تھی خلافتِ راشدہ بالخصوص عہدِ فاروقی کے بہت سے معاہدوں میں اس کی صراحت ہے کہ جزیہ ذمیوں کی حفاظت کا صرف ایک ٹیکس تھا عہدِ فاروقی میں اہل جرجان سے جو معاہدہ ہوا اس کے الفاظ یہ ہیں:

”ہمارے ذمہ اس شرط پر تمھاری حفاظت ہے کہ تم کو بقدرِ استطاعت سالانہ جزیہ دینا ہوگا اور اگر ہم تم سے مدد لیں گے تو اس کے بدلے میں جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔“

آذر بائیجان کی فتح میں یہ معاہدہ لکھا گیا:

”جو لوگ کسی سال فوج میں کام کریں گے تو اس سال کا جزیہ ان سے نہیں لیا جائے گا۔“

اس قسم کی بہت سی مثالیں آپ تاریخ و سیر کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں، بلکہ اگر کسی وجہ سے ذمیوں کی حفاظت سے مسلمان معذور ہوگئے تو جزیہ کی وصول شدہ رقم بھی انھیں واپس کردی جاتی تھی، جیساکہ یرموک کے معرکہ کے سلسلے میں جب مسلمان فوجی ذمیوں کی حفاظت سے معذور ہوگئے تو سپہ سالارِ لشکر حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شام اور مفتوحہ علاقوں کے حکام کے نام یہ فرمان صادر کیا کہ جتنا جزیہ وصول ہوچکا ہے سب واپس کردیا جائے۔

مزید یہ کہ جزیہ کی وصولی میں کسی سختی سے بھی کام نھیں لیا جاتا تھا، شام کے سفر میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مقام پر دیکھا کہ ذمیوں پر سختی کی جارہی ہے سبب پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ جزیہ کی ادائیگی میں آنا کانی کررہے ہیں اور اس کی وجہ ان کی ناداری ہے جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: انھیں چھوڑ دو میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں قیامت میں عذاب دے گا۔

جزیہ کی وصولی میں اس قدر رعایت برتی جاتی تھی کہ اگر کوئی بوڑھا ذمی کام کرنے سے معذور ہوجاتا یا کسی آفت کا شکار ہوجاتا یا دولت مندی کے بعد وہ غریب ہوجاتا اور اس کے اہلِ مذہب اسے خیرات دینے لگتے تو اس کا جزیہ معاف کردیا جاتا تھا اور صرف یہی نھیں کہ معاف کردیا جاتا تھا بلکہ اسے اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کے بیت المال سے خرچ بھی دیا جاتا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ جزیہ ایک خالص حفاظتی ٹیکس تھا جو صرف ان کی حفاظت پر خرچ کیا جاتا تھا اور مسلمان بھی اس قسم کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں تھے بلکہ مسلمانوں کی زکات کی جو مقدار ہوتی تھی وہ جزیہ کی مقدار سے کہیں زیادہ ہوتی تھی؛ لہٰذا یہ نہ سمجھا جائے کہ اس قسم کے محاصل صرف غیر مسلم اقلیتوں پر ہی عائد تھے بلکہ مسلمان بھی اس کے پابند تھے اس

سے برادرانِ وطن اور فرزندانِ اسلام بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ غیر قوموں کے ساتھ اسلام کا طرزِ عمل کس قدر عادلانہ اور مساوات پر مبنی ہے اور اسلام کس درجہ رواداری کا علمبردار ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کو قتل کردیا تو امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے قصاص لینے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قبیلۂ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کردیا تو آپ نے مسلمان قاتل کو مقتول عیسائی کے ورثہ کے حوالے کردیا اور انھوں نے اسے قصاص میں قتل کردیا اسی طرح ذمیوں کی املاک کو بھی اگر کوئی نقصان پہنچ جاتا تھا تو آپ انھیں اس کا معاوضہ دلاتے تھے اسی طرح انھیں اسلامی مملکت میں ہر طرح کی آزادی بھی حاصل تھی، بیت المقدس فتح کرنے کے بعد وہاں کے عیسائیوں کے لیے آپ نے جو معاہدہ لکھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

”یہ وہ امان ہے جو خدا کے بندے امیر المومنین عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اہل ایلیا کو دی۔ یہ امان جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہلِ مذہب کے لیے ہے ان کے گرجا میں نہ تو سکونت اختیار کی جائے گی نہ ہی وہ ڈھائے جائیں گے اور نہ ان کے احاطے کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کمی کی جائے گی، مذہب کے معاملے میں ان پر کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ [1]

مزید تفصیل کے لیے آپ کتاب الخراج، تاریخ طبری ج:۵، فتوح البلدان میں متعلقہ بحث دیکھیے۔

اس اقتباس سے برادرانِ وطن کو بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسلام قومی یک جہتی رواداری، عدل و مساوات، اخوت و بھائی چارگی اور ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کا علمبردار ہے اسلام کبھی بھی ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی ناحق قتل و غارت گری، خوں

۱- تلخیص از تاریخ اسلام، ج:۱، از ص:۱۹۱ تا ۱۹۳

ریزی اور شر و فساد کی اجازت نہیں دیتا ہے۔

اتنی وضاحت کے بعد اب ہم سورۂ توبہ کی آیت:۲۹ کی طرف آتے ہیں اس آیت میں مسلمانوں کو اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ساتھ اس وقت تک قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ جزیہ ادا کرنے پر تیار نہ ہو جائیں جیسا کہ یہ اس آیت کے آخری جزء: ''مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ حَتّٰی یُعۡطُوا الۡجِزۡیَۃَ عَنۡ یَّدٍ وَّ ہُمۡ صٰغِرُوۡنَ'' سے ظاہر ہے۔

اس آیت میں یہود و نصاریٰ سے قتال کی چار معقول وجہیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) یہ لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔

(۲) یہ لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔

(۳) اللہ و رسول نے جس چیز کو حرام قرار دیا ہے؛ اسے یہ لوگ حرام نہیں مانتے۔

(۴) یہ لوگ دینِ حق کی پیروی نہیں کرتے۔

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی وحدانیت کے ساتھ ہی ساتھ اس کی ذات اور اس کی تمام صفاتِ ثبوتی اور سلبی پر بھی ایمان لایا جائے اور بعض مفسرین نے اللہ پر ایمان لانے میں اس کے رسولوں پر بھی ایمان لانے کو داخل قرار دیا ہے۔ یہود و نصاریٰ اگرچہ اس بات کے مدعی ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کا یہ دعویٰ باطلِ محض ہے اس لیے کہ یہود اللہ تعالیٰ کی جسمیت کے قائل ہیں اور نصاریٰ حلول کے معتقد ہیں جیسا کہ یہ اس کے بعد والی آیت:۳۰ سے ثابت ہے۔

''وَ قَالَتِ الۡیَهُوۡدُ عُزَیۡرُ ۨ ابۡنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَی الۡمَسِیۡحُ ابۡنُ اللّٰهِ ﴿۳۰﴾''

اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ (کنزالایمان)

یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں اور اس کی وجہ مفسرین نے یہ

بیان کی ہے کہ یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بہت سے انبیا کو قتل کر ڈالا جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان سے توریت کو اٹھا لیا (ان کے دلوں سے اسے محو کر دیا) لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ایک زمانے کے بعد حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ذریعہ حضرت عزیر علیہ السلام کو توریت حرف بحرف یاد کرا دیا جس کی وجہ سے یہودیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ تعالیٰ توریت صرف اپنے بیٹے کے سینے میں ہی القا کر سکتا ہے جیسا کہ تفسیر ابی سعود میں ہے:

"مَا جَمَعَ اللهُ التَّوْرَاةَ فِيْ صَدْرِهٖ وَهُوَ غُلَامٌ إِلَّا أَنَّهُ اِبْنُهُ." [1]

اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی پیدائش بغیر باپ کے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان، آستین یا دامن یا ان کے منہ میں حضرت جبریل علیہ السلام کے دم کرنے سے ہوئی تھی اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور برص جیسے مرضوں سے لوگوں کو اللہ کے حکم سے شفا دیتے تھے جس کی وجہ سے نصاریٰ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ابن اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ کام محال ہے جیسا کہ تفسیر ابی سعود میں ہے:

" وَإِنَّمَا قَالُوْهُ اِسْتِحَالَةً لِأَنْ يَّكُوْنَ وَلَدٌ بِغَيْرِ اَبٍ أَوْ لِأَنْ يَّفْعَلَ مَا فَعَلَهٗ مِنْ إِبْرَاءِ الْأَكْمَهِ وَالْأَبْرَصِ وَإِحْيَاءِ الْمَوْتٰى مَنْ لَمْ يَكُنْ اِلٰهًا. "

اسی طرح یہ لوگ آخرت پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے اور وحیِ متلو یا غیر متلو سے جس کی تحریم ثابت ہے اس کو یہ لوگ حرام نہیں مانتے تھے، حد تو یہ ہے کہ توریت و انجیل میں تحریف کر دیتے تھے اور دینِ حق جو دینِ اسلام ہے اور تمام انبیا کے دینوں کے لیے ناسخ ہے، اس دین کی بھی یہ لوگ پیروی نہیں کرتے تھے، اسی کے ساتھ ہی ساتھ یہ لوگ عہد و پیمان کی بھی پاسداری نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ شر و فساد پر آمادہ رہتے تھے

۱- تفسیر ابی سعود، ج:۴، ص:۵۹

ان سب وجوہات سے ان سے قتال کا حکم دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ رعایت بھی برتی گئی کہ اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں یا عدمِ ایمان کی صورت میں جزیہ کی ادائیگی پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے ساتھ کسی طرح کی چھیڑ چھاڑ نہیں کی جائے گی اور جزیہ کی ادائیگی کے بدلے میں کما حقہ ان کے حقوق اور جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔

تیرہویں آیت:

''اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُؕ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ''[1]

ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں کہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں جو اللہ نے حرام فرمائی اور اللہ کے حرام کیے ہوئے حلال کرلیں، ان کے برے کام ان کی آنکھوں میں بھلے لگتے ہیں، اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔(کنزالایمان)

یہاں پر سب سے پہلے ضروری ہے کہ ''النَّسِیْٓءُ'' کے لغوی اور اصطلاحی معنٰی و مفہوم پر روشنی ڈالی جائے۔

''النَّسِیْٓءُ'' کے لغوی معنٰی میں دو قول ہے:

(۱) النَّسِیْٓءُ مصدر ہے اور یہ ''انساء'' کے معنٰی میں ہے یعنی کسی شے کو اس کی اصل جگہ سے مؤخر کر دینا، پیچھے ہٹا دینا، جب کوئی کسی شے کو مؤخر کر دے تو بولا جاتا ہے: نسأہ نسأ و نساء و نسیئا جیسے: مس مساً و مساساً و مسیساً اسی طرح اگر کوئی اونٹ کو حوض سے پیچھے کر دے، ہٹا دے تو وہ کہے گا: ''نسأت الإبل عن

۱-التوبہ: آیت:۳۷

الحوض "میں نے اونٹ کو حوض سے ہٹادیا، پیچھے کردیا۔ یہ "یا" کی تخفیف اور بغیر ہمزہ کے "یا" کی تشدید کے ساتھ بھی مروی ہے۔

(۲) النَّسِیٓءُ: اس کی اصل زیادت سے ہے، جب کوئی وقت میں اضافہ کردے تو بولا جاتا ہے: "نسأ في الأجل و أنسأ" اسی طرح اگر کسی نے دودھ میں پانی ملاکر اسے بڑھادیا تو بولا جاتا ہے: "نسأ الماء في اللبن" اونٹنی کے لیے بولا جاتا ہے: "نسأتها" میں نے اسے جھڑکا تاکہ وہ اپنی رفتار تیز کردے، بڑھادے۔ حاصل یہ ہے کہ ہر وہ زیادت جو کسی شے میں کی جائے وہ "نسیٔ" ہے

واحدی کے نزدیک قول اول ہی صحیح ہے۔

اصطلاحِ شرع میں اس کا مفہوم یہ ہے: "تاخیر حرمة شهر إلى شهر آخر ليست له تلك الحرمة."

اشهر حرم (ذوالقعد، ذوالحجہ، محرم، رجب) میں سے کسی مہینے کی حرمت کو اس مہینے سے ہٹاکر ایسے مہینے میں کردینا جس میں حرمت نہ ہو مثلاً: محرم کی حرمت کو ہٹاکر صفر میں کردینا، رجب کی حرمت کو ہٹاکر شعبان کے مہینے میں کردینا، علی ھذاالقیاس۔[1]

"نسیٔ" کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ و مفہوم کی وضاحت کے بعد اب ہم آپ کو تقریب فہم کے لیے یہ بتادیں کہ ہمارے یہاں جو جنتریاں یا کلینڈر بنائے جاتے ہیں وہ عموماً شمسی اور قمری سال اور ان کے ماہ و ایام و تاریخ پر مشتمل ہوتے ہیں، شمسی اور قمری سال اور ان کے ماہ و ایام میں فرق یہ ہوتا ہے کہ اگر ہم اپنے کسی معاملے کی بنا قمری مہینوں میں سے کسی ایک مہینے پر رکھیں تو وہ ایک مقام پر قائم نہیں رہتا ہے، اس میں دور اور گردش ہوتی رہتی ہے، مثلاً: روزہ قمری مہینے رمضان میں فرض ہے، اب یہ گردش کرتے کرتے کبھی موسم گرما، کبھی موسمِ سرما، اور کبھی برسات کے موسم میں آجاتا ہے، اسی

۱- تفسیرِ کبیر و تفسیر ابی سعود ما تحت الآیۃ

قیاس پر حج بھی ہے جس کی ادائیگی قمری مہینے ذوالحجہ کے مخصوص ایام میں فرض ہے؛ لیکن یہ بھی گھومتے گھومتے کبھی بارش کے موسم میں پڑجاتا ہے، کبھی ٹھنڈی، اور کبھی گرمی کے موسم میں آجاتا ہے جب کہ شمسی سال میں یہ بات نھیں ہوتی ہے مثلاً: ہم اگر اپنی کوئی خاص تقریب مارچ یا نومبر کے مہینے میں متعیّن کردیں تو موسم کے تغیرات سے اس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا ہے، ہمیشہ معتدل موسم میں ہی یہ تقریب پڑتی ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، ان وجوہات کے پیش نظر قبل اسلام جب کفار اور مشرکینِ عرب نے یہ دیکھا کہ قمری سال کی رعایت سے حج کرنے میں مصالحِ دنیا میں خلل پیدا ہورہا ہے، سفر میں دشواری اور کاروبارِ تجارت متاثر ہورہا ہے تو انھوں نے قمری سال کی رعایت ترک کردی اور شمسی سال کا اعتبار کرتے ہوئے کبیسہ (وہ سال جس میں فروری کا مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے) کے طرز پر ایک ایسی جنتری بنائی؛ جس سے انھیں دو چیزوں کا فائدہ ہوا ایک یہ کہ کچھ قمری سال تو ۱۲ مہینے کے ہی رہے؛ لیکن کچھ کو انھوں نے تیرہ ماہ کا کردیا ایک ماہ کا اضافہ اس لیے کیا کہ شمسی سال قمری سال سے ایک معین مقدار سے زیادہ کا ہوتا ہے، یہاں تک کہ ۳۶ شمسی سال ۳۷ قمری سال کے برابر ہوتا ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ حج ایک سال ذوالحجہ کے مہینے میں پڑتا تو دوسرے سال بجائے ذوالحجہ کے محرم کے مہینے میں پڑجاتا پھر تیسرے سال صفر کے مہینے میں پڑجاتا اسی قیاس پر حج کا مہینہ گھومتے گھومتے ایک خاص مدت کے بعد اپنے اصل مہینے ذوالحجہ کی طرف لوٹ آتا، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مہینوں کی تعداد میں اضافہ ہوگیا اور اشھرِ حرم کی حرمت اپنے اصل مہینوں میں باقی نہیں رہ گئی بلکہ ان سے متأخر ہوکر ان مہینوں میں چلی گئی جن میں حرمت نہیں تھی۔

اس تفسیر کی رو سے لفظِ ”نسیٔ“ اکثر کے نزدیک تاخیر اور باقی لوگوں کے نزدیک زیادت کے معنٰی کی طرف مشعر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مشرکینِ عرب نے مصالحِ دنیا میں خلل کی وجہ سے بنی اسرائیل کی طرح حیلہ گری کرتے ہوئے عبادت کی بنا قمری ماہ و سال پر رکھنے کے بجائے شمسی ماہ و سال پر رکھ دی؛ جب کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے عہد سے ہی حکم دے رکھا تھا کہ تمھارے معاملات و عبادات کی بنا قمری ماہ و سال پر ہوگی؛ لیکن مشرکینِ عرب نے قمری ماہ و سال کی رعایت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے حکم پر عمل نہیں کیا اور دنیاوی اغراض و مقاصد اور منفعت کے حصول کے لیے معاملات سے لے کر عبادات تک میں شمسی ماہ و سال کا اعتبار کر لیا اور حج کو اشھرِ حرم کے بجائے دوسرے مہینے میں مؤخر کر دیا، اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۳۶ اور ۳۷ میں ان کی سرزنش کی اور اس عمل کو ان کے کفر میں زیادتی کا باعث قرار دیا، زیادتی کا باعث اس لیے قرار دیا کہ ان کے بڑوں نے اپنے متبعین کو یہ باور کرایا کہ ہم جو کر رہے ہیں یہی واجب ہے اور حج قمری مہینے کے اعتبار سے واجب نہیں ہے۔ ظاہر ہے یہ علم کے باوجود حکم الٰہی سے انکار اور اس کی اطاعت سے روگردانی، تمرد اور سرکشی ہے جو باجماعِ مسلمین کفر کی موجب ہے۔[1]

صاحب تفسیر ابی سعود "زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"لِأَنَّهٗ تَحْلِيْلُ مَّا حَرَّمَ اللهَ وَتَحْرِيْمُ مَّا حَلَّلَهٗ فَهُوَ كُفْرٌ آخَرُ مَضْمُوْنٌ إِلٰى كُفْرِهِمْ."[2]

کفار و مشرکینِ عرب کا یہ عمل اللہ نے جسے حرام قرار دیا اسے حلال اور جسے حلال قرار دیا ہے اسے حرام ٹھہرانا ہے، پس یہ ان کا کفر پر کفر ہے۔

بعض مفسرین نے "اشھر حرم" کی تاخیر کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ عرب جنگ و

۱- تفسیر کبیر تحت الآیۃ

۲- تفسیرِ ابی سعود ج:۴، ص:۶۴

جدال، قتل وغارت گری کے خوگر تھے بات بات پر ان میں تلواریں نکل آتی تھیں؛ جب تک یہ اپنے حریفوں سے دو دو ہاتھ نہیں کر لیتے تھے ان کے شکم میں ایک طرح مروڑ سا رہتا تھا اس لیے اشھر حرم کی حرمت کے قائل ہونے کے باوجود پے در پے تین ماہ بغیر قتل وغارت گری کے گھر بیٹھ کر گزارنا ان پر بہت شاق گزرتا تھا اس لیے جب شھر حرام آجاتا اور یہ حالت جنگ میں ہوتے تو اس مہینے کو یہ لوگ حلال ٹھہرا لیتے اور اس کے بدلے میں دوسرے مہینے کو جو حرام نہیں ہوتا اسے حرام قرار دے دیتے مثلاً اگر یہ لوگ شوال کے مہینے میں جنگ کر رہے ہوتے اور ذو القعدہ کا مہینہ آجاتا جو اشھر حرم میں داخل ہے تو اسے یہ لوگ حلال کر لیتے اور اس کے بدلے میں صفر کے مہینے کو حرام قرار دے دیتے جو حرام نہیں ہے اسی قیاس پر اگر یہ لوگ جمادی الآخرہ کے مہینے میں حالت جنگ میں ہوتے اور رجب کا مہینہ آجاتا جو اشھر حرم میں داخل ہے تو اسے یہ لوگ حلال کر لیتے اور اس کے بدلے میں شعبان یا اور کسی مہینے کو حرام ٹھہرا لیتے جو اشھر حرم میں نہیں داخل ہوتا، اس طرح یہ لوگ اللہ نے جسے حرام قرار دیا ہے اسے حلال اور جسے حلال قرار دیا ہے اسے حرام ٹھہرایا کرتے۔ حلال کو حرام اس لیے ٹھہراتے تاکہ یہ اشھر حرم کی گنتی کو پورا کر لیں مثلاً ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم یہ تین مہینے پے در پے حرام کے ہیں اب اگر یہ لوگ ان میں جنگ کرتے تو تین حلال مہینوں کو اس کے بدلے میں حرام ٹھہرا لیتے تاکہ معاملہ برابر سرابر پر ختم رہے اس طرح یہ لوگ خود کو بھی گمراہ کرتے اور اپنے چھوٹوں کو بھی اسی راہ پر چلاتے اور ایسا کرنے میں انھیں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس طرح کے کام انھیں بھلے معلوم ہوتے اور ظاہر بات ہے کہ جن کی جبلت ایسی ہو اللہ انھیں ہدایت نہیں دیتا ہے؛ کیوں کہ ایسی ہدایت جو مطلوب ومقصود کی طرف موصل ہو اللہ اسی کو دیتا ہے جو ایسی ہدایت کے لیے اخلاص کے ساتھ کوشاں رہتا ہے اور اس کے لیے تگ ودو کرتا ہے اور جو ایسی ہدایت چاہتا ہی نہیں

ہے اللہ اسے کیوں کر ہدایت دے گا؟ اسی لیے یہاں پر فرمایا گیا:

"وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ"[1]

اس کی واضح مثال یہ ہے کہ معلم ایسے ہی طالب علم کو پڑھانے میں انٹرسٹ (interest) رکھتا ہے جو پڑھنا چاہتا ہے اور محنت و مشقت کے ساتھ تضییع اوقات کے بغیر طلب علم کی راہ پر لگا رہتا ہے اور جو طالب علم پڑھنا ہی نہیں چاہتا اکثر درس گاہ سے غیر حاضر رہتا ہے درسی کتابوں سے اسے کوئی مطلب ہی نہیں رہتا ہے؛ استاذ ایسے طالب علم کو کیوں کر پڑھائے گا اور اس کی رشد و ہدایت، تعلیم و تربیت میں اسے کیوں کر دلچسپی ہوگی؟

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور سید عالم ﷺ نے جو فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا وہ بنی نوع انسان کے لیے ایک جامع منشور اور لائحۂ عمل ہے آپ کا یہ عظیم خطبہ اخلاقیات اورحسنِ معاشرت و مملکت کا ایک فکر انگیز اور دل آویز مجموعہ ہے اس میں آپ نے اعلان فرمایا کہ: "نسیٔ" کے مہینے گئے گزرے ہوئے، اب مہینوں کے اوقات کی وضع الٰہی کے مطابق حفاظت کی جائے گی اور کوئی مہینہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جائے گا۔

چودہویں آیت:

"وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ."[2]

اور ان میں کوئی وہ ہے کہ صدقے بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے تو اگر ان میں سے کچھ ملے تو راضی ہو جائیں اور نہ ملے تو جبھی وہ ناراض ہیں۔ (کنزالایمان)

اس آیت کے شان نزول، معنی و مفہوم کے بیان کرنے سے پہلے آئیے ایک نظر

۱- التوبہ، آیت: ۳۷

۲- التوبہ، آیت: ۵۸

غزوہ حنین کی تاریخ پر ڈال لیتے ہیں۔

ہر چند کہ فتح مکہ سے تمام قبائل عرب کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ چکی تھی اور وہ خود بڑھ بڑھ کر اسلام قبول کر رہے تھے لیکن ابھی بھی کچھ سرکش قبائل ایسے تھے جو اسلام قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آرہے تھے اور وہ مسلمانوں سے جنگ کے لیے بے تاب تھے جن میں ہوازن اور ثقیف کے بڑے ممتاز اور جنگجو قبیلے تھے اسلام کی مسلسل فتوحات اور قبضہ و اقتدار سے ان کا تشخص اور امتیاز ختم ہوتا دکھائی دے رہا تھا اس لیے ان دونوں قبائل کے عمائدین و معززین نے اتفاق رائے سے یہ طے کیا کہ مسلمانوں سے پوری قوت کے ساتھ جنگ کی جائے اور اب تک مسلمانوں کو جن قبائل سے سامنا پڑا تھا وہ اس میدان کے مرد نہ تھے اور قبل اس کے کہ وہ خود ہماری طرف پیش قدمی کریں ہمیں خود بڑھ کر ان پر پوری قوت سے حملہ کر دینا چاہیے اس قرارداد پر اتفاق کے بعد وہ مقابلے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے جوش و خروش کا عالم یہ تھا کہ یہ لوگ قبیلۂ ہوازن کے سردار مالک بن عوف النصری (انہوں نے بعد میں اسلام قبول کر لیا اور شرف صحابیت سے مشرف ہوے) کے حکم سے اپنے مال و اسباب اور بال بچوں کو بھی اپنے ساتھ کر لیا تھا تاکہ جنگجو میدان میں ڈٹے رہیں اور ان کی پامردی کو تقویت پہونچے۔

حضور سید عالم ﷺ بھی ان کی طرف سے غافل نہیں تھے آپ نے حضرت عبداللہ بن حدرد اسلمی کو ہوازن اور ثقیف کے عزائم اور جنگی تیاریوں اور ہر معاملے کے متعلق صحیح اور تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لیے حنین روانہ فرمایا جس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اگر مناسب طریقے سے صلح و مصالحت کی کوئی صورت نکل آے تو اس سے فائدہ اٹھایا جاے تاکہ قتل و قتال کی نوبت نہ آنے پاے۔ حضرت عبداللہ بن حدرد نے بطریقۂ احسن خفیہ تحقیقات حال کر کے آپ کی خدمت میں قبیلہ ہوازن اور ثقیف کی پرجوش جنگی تیاریوں کی خبروں کی تفصیل پیش کر دی صورت حال کی تحقیق ہو جانے کے بعد آپ حرم مکہ میں

بیٹھ کر حملے کا انتظار نہیں کر سکتے تھے کیوں کہ اس سے حدود حرم کا تقدس پامال ہوتا اس لیے آپ نے قبل اس کے کہ وہ حملہ آور ہوں آگے بڑھ کر خود ان پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کے لیے زور و شور سے تیاری شروع کر دی۔ عبداللہ بن ربیعہ سے تیس ہزار درہم مصارف جنگ کے لیے قرض لیے صفوان بن امیہ (فتح حنین کے بعد اسلام لائے) جنھوں نے قبول اسلام کے لیے مہلت لے رکھی تھی ان سے ایک سو زرہیں مستعار لیں اور دس ہزار انصار و مہاجرین صحابہ اور ایک ہزار کی تعداد میں نومسلم اور ایک ہزار کی تعداد میں غیر مسلم اہل مکہ کو بھی ساتھ لے کر آپ حنین کی طرف روانہ ہو گئے اس بھاری نفری کو دیکھ کر بعضوں کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آسکتا ہے ؟ جو رب تبارک و تعالی کو پسند نہیں آیا۔ احادیث میں غزوۂ حنین کی جو روایات نقل کی گئی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دشمنوں کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اسلامی افواج کس راستے سے آرہی ہیں اس لیے انہوں نے جنگی نقطہ نظر سے وادی حنین کے نشیب میں ادھر ادھر محفوظ مقامات پر کمین گاہیں بنا کر اپنے ماہر تیر انداز جوانوں کو ان میں بٹھا دیا تھا ابھی پوری طرح اجالا بھی نہیں پھیلا تھا کہ اسلامی فوج کا مقدمۃ الجیش وہاں پہنچ گیا پھر ہر سمت سے قبیلۂ ہوازن اور ثقیف کے جوانوں نے ان پر تیروں کی بوچھار کر دی۔ علامہ ابن ہشام لکھتے ہیں: جب وادی حنین سامنے آئی تو ہم نے تہامہ کی طرف جانے والی وادیوں میں سے ایک نشیبی ڈھلان اور وسیع وادی میں اترنا شروع کر دیا ہم اترے جا رہے تھے رات کی تاریکی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی دشمن ہم سے پہلے وادی میں آگئے تھے انھوں نے ہر تنگ گھاٹی، ہر درے اور ہر خفیہ راستے سے ہم پر حملہ کر دیا۔[1]

پھر یہ ہوا کہ پہلے بنو سلیم پلٹے پھر اہل مکہ نے راہ فرار اختیار کی پھر پورے لشکر میں ابتری پھیل گئی جس کی سمجھ میں جدھر آیا وہ جان بچانے کے لیے ادھر بھاگ کھڑا ہوا کوئی اس

۱- ابن ہشام، القسم الثانی، ص ۴۴۲

پوزیشن میں بھی نہیں رہا کہ صورت حال کا صحیح اندازہ کرسکے اور بد حواسی کا عالم یہ تھا کہ پیچھے مڑکر دیکھنے کی بھی کسی میں تاب نہیں رہی۔ قرآن مقدس نے اس کی منظر کشی کی ہے:۔

"وَّیَوۡمَ حُنَیۡنٍ ۙ اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ فَلَمۡ تُغۡنِ عَنۡکُمۡ شَیۡـًٔا وَّ ضَاقَتۡ عَلَیۡکُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَ ۚ"

اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمھارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہوکر تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ دے کر پھر گئے۔ (کنزالایمان)

لیکن اس ناگہانی افراتفری میں بھی حضور سید عالم ﷺ اپنے چند فداکاروں کے ساتھ میدان میں ڈٹے رہے جن کے نام یہ ہیں: حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت قثم بن عباس، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ایمن بن عبید، حضرت مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب، ان کے فرزند حضرت جعفر و ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ مشہور صحابی رسول حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ثابت قدم اصحاب میں شامل تھیں انھوں نے اپنی چادر اپنی کمر سے کس کر باندھ رکھی تھی اور اونٹ کی نکیل کھینچ کر اس کے نتھنوں میں اپنے ہاتھ کی انگلیاں ڈال رکھی تھیں اور خنجر ہاتھ میں لیے ہوے تھیں کہ کوئی دشمن قریب آئے تو اس کا پیٹ چاک کردیں ایسے موقع پر حضور سید عالم ﷺ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ انصار و مہاجرین صحابہ کو بلند آواز سے پکارو۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلند آواز سے پکارنا شروع کیا "یا معاشر الأنصار" "یا معاشر أصحاب السمرة " اے گروہ انصار! اے حدیبیہ میں زیر سایہ درخت بیعت کرنے والو! حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"فَوَ اللهِ لَكَانَ عَطَفَتُهُمْ حِيْنَ سَمِعُوْا صَوْتِىْ عَطْفَةَ الْبَقَرِ عَلٰى أَوْلَادِهَا فَقَالُوْا : يَا لَبَّيْكَ يَا لَبَّيْكَ " اِلٰى اٰخِرِ الْحَدِيْثِ.[1]

۱۔مسلم، الجلد الثانی، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ حنین، ص ۱۰۰

واللہ یہ پکار سنتے ہی وہ اس طرح پلٹے جیسے کہ گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹتی ہے، وہ یالبیک، یالبیک، کی صدا بلند کرتے ہوئے دوڑ پڑے اور دشمنوں سے بھڑ گئے، اور انصار کو یہ کہہ کر بلایا اے گروہ انصار! اے گروہ انصار! پھر بنو حارث بن خزرج کو پکار لگائی اور کہا: اے بنو حارث بن خزرج! اے بنو حارث بن خزرج! پھر حضور سید عالم ﷺ نے اس حال میں کہ آپ خچر پر سوار تھے ان کی طرف گردن اٹھا کر دیکھا، آپ نے ان کی لڑائی کا منظر دیکھا اور فرمایا: اس وقت تنور گرم ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے چند کنکریاں اٹھائیں اور کفار کے چہروں کی طرف پھینکیں اور فرمایا کہ رب محمد کی قسم یہ ہار گئے، حضرت عباس کہتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ لڑائی اسی تیزی کے ساتھ جاری تھی میں اسی طرح دیکھ رہا تھا کہ اچانک آپ نے کنکریاں پھینکیں بخدا! میں نے دیکھا کہ ان کا زور ٹوٹ گیا اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔

پھر نتیجہ یہ ہوا کہ میدان میں صرف ان کے مال و اسباب، ساز و سامان، عورتیں اور بچے ہی رہ گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ'' [1]

پھر اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر اور وہ لشکر اتارے جو تم نے نہ دیکھے اور کافروں کو عذاب دیا اور منکروں کی یہی سزا ہے۔ (کنز الایمان)

اس جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ جو مال غنیمت آیا اس کی تفصیل یہ ہے۔ ۶ ہزار عورتیں اور بچے، ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بھیڑ اور بکریاں، ۴ ہزار اوقیہ چاندی حضور سید عالم ﷺ نے یہ سارا مال غنیمت ''جعرانہ'' بھجوا دیا جہاں سے بڑے عمرہ کے لیے احرام باندھا جاتا ہے۔

۱- التوبہ، آیت: ۲۶

یہاں پر اسیران حنین کی ایک قیدی کی واردات سے آپ کا دل بھر آے گا۔ اسیران حنین میں حضور سید عالم ﷺ کی رضاعی بہن ''شیما بنت حارث'' بھی تھیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) جن کے ساتھ حضور سید عالم ﷺ نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے یہاں رضاعت کا زمانہ گزارا تھا جب یہ پکڑی گئیں تو انھوں نے آتے ہی کہا: یا رسول اللہ! (ﷺ) میں آپ کی رضاعی بہن ''شیما'' ہوں اور اس کے ثبوت میں انھوں نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی کہ بچپن میں آپ نے ایک دفعہ یہاں دانت سے کاٹا تھا اور وہ نشان باقی تھا، فرط محبت سے آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے آپ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی ردائے مبارک بچھائی، محبت کی باتیں کیں، چند اونٹ اور بکریاں بھی عنایت فرمائیں اور ارشاد فرمایا: اگر جی چاہے تو میرے گھر میں چل کر رہو اور اگر اپنے گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ حضرت شیما نے جو اس وقت ایمان سے مشرف نہیں تھیں گھر خاندان کی محبت میں گھر جانا چاہا، آپ ﷺ نے عزت و احترام کے ساتھ انھیں ان کے گھر پہنچوا دیا۔[1]

فتح حنین کے بعد آپ نے طائف کا محاصرہ کیا یہ محاصرہ ۲۰ دن تک جاری رہا لیکن کامیابی نہیں ملی چوں کہ اس محاصرہ سے صرف مدافعت مقصود تھی اس لیے آپ نے ۲۰ دن کے بعد محاصرہ اٹھا لیا اور مال غنائم کی تقسیم کے لیے ''جعرانہ'' تشریف لائے جعرانہ میں آپ کو اسیران جنگ کی رہائی کے لیے وفد ہوازن کا انتظار تھا جس کی ایک شاخ بنو سعد سے آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھیں آپ کے پہنچنے کے بعد وہ وفد بھی آگیا وفد کے رئیس نے رضاعت کے رشتے کے حوالے سے کہا کہ اسیر عورتوں میں آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں بھی ہیں اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو اس سے بھی بہت امیدیں ہوتیں اور آپ سے تو بہت زیادہ امیدیں ہیں۔ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا: مجھے صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن عام

۱- سیرت النبی، جلد نمبر ا، ص ۴۹۰

مسلمانوں سے میں اس کے لیے سفارش کرتا ہوں یہ سن کر مہاجرین و انصار نے اپنے اپنے حصے چھوڑ دیے یوں ساری عورتیں اور بچے رہا ہو گئے۔

مال غنیمت کی تقسیم میں حضور سید عالم ﷺ نے تالیف قلب کی غرض سے نو مسلموں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ ترجیحی سلوک کیا بلکہ نسبتاً انہیں زیادہ مال غنیمت عطا فرمایا جس کی تفصیل یہ ہے۔ ابوسفیان اور ان کی اولاد کو ۳۰۰ اونٹ، حکیم بن حزام کو ۲۰۰ اونٹ، ان کے علاوہ آٹھ افراد کو ایک ایک سو اونٹ، بہت سے لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ دیے اور فوج میں سے ہر فرد کو فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں دیں جس میں سواروں کا حصہ زیادہ تھا۔

اس تقسیم پر اوروں کے ساتھ انصار صحابہ کو بھی اعتراض ہوا جیسا کہ مسلم جلد ثانی میں روایات موجود ہیں لیکن ان کا اعتراض عاشقانہ اور محبت سے لبریز تھا اور ان کے اعتراض کا اصل محرک ان کے ذہن میں اس خدشے کا پیدا ہو جانا تھا کہ شاید اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیں مدینے میں تنہا چھوڑ کر اپنے گھر خاندان کے ساتھ دوبارہ مکہ میں جا بسیں گے جس کا ازالہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار صحابہ کو یہ کہہ کر فرما دیا: کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ دیگر لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد ﷺ کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔

لیکن اس تقسیم پر کچھ منافقین نے نہایت سخت تکلیف دہ اور جارحانہ انداز میں آپ پر لب کشائی کی جس سے قلب مبارک ﷺ کو سخت صدمہ لاحق ہوا اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی آیت ۶۰، ۵۹، ۵۸ کا نزول فرمایا اور ان کی بد نیتی اور مال دنیا کی حرص و ہوس کو ظاہر کرتے ہوے فرمایا:

''وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّلۡمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ‌ ۚ فَاِنۡ اُعۡطُوۡا مِنۡهَا رَضُوۡا وَاِنۡ لَّمۡ يُعۡطَوۡا مِنۡهَاۤ اِذَا هُمۡ يَسۡخَطُوۡنَ''[1]

اور ان میں کوئی وہ ہے کہ صدقے بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے تو اگر ان میں سے

۱- التوبہ، آیت:۵۸

کچھ ملے تو راضی ہوجائیں اور نہ ملے تو جبھی وہ ناراض ہیں۔(کنزالایمان)

یہ آیت مبارکہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں صاحب تفسیر ابی سعود نے اس آیت کی تفسیر کے تحت تین قول پیش کیے ہیں اور قول اول کو"هو الأظهر"فرمایاہے۔

(۱)-یہ آیت ابوالجواظ منافق کے بارے میں نازل ہوئی جس نے مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں صحابۂ کرام سے یہ کہا: کیا تم دیکھتے نہیں کہ تمھارے صاحب تمھارے صدقات بکریوں کے چرواہوں میں بانٹ رہے ہیں اور گمان یہ کرتے ہیں کہ وہ عدل سے کام لے رہے ہیں۔

(۲)- یہ آیت ابن ذی الخویصرہ کے بارے میں نازل ہوئی جس کا اصل نام حرقوص ابن زہیر تمیمی ہے جو خوارج کا رئیس تھا اس نے حنین کے مال غنیمت کی تقسیم پر یہ کہا:"اعدِلْ یا رسولَ الله! فقَالَ ﷺ وَ يْلَكَ إِنْ لَمْ أَعْدِلْ فَمَنْ يَّعْدِلْ؟" اے اللہ کے رسول انصاف سے کام لیجیے آپ نے فرمایا: اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو پھر کون انصاف کرے گا؟

(۳)-اس کے قائل مؤلفۃ القلوب تھے۔[1]

بخاری شریف میں پوری حدیث موجود ہے ذی الخویصرہ کی اس بات کو سن کر حضرت عمر نے عرض کیا:

" إِئْذَنْ لِيْ فَلِأَضْرِبَ عُنُقَهُ قَالَ : لَا، إِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يُحْقِرُ أَحْدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعْ صَلَاتِهِمْ وَصِيَامَهُ مَعْ صِيَامِهِمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمُرُوْقِ السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ."[2]

۱-تفسیر ابی سعود ج۴ص۷۵

۲-بخاری جلد ثانی؛ کتاب الادب، باب ماجاء فی قول الرجل ویلک، ص ۹۱۰، مطبع مجلس برکات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن مار دوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: نہیں، اس کے کچھ ایسے ساتھی ہوں گے کہ ان کی نماز اور روزے کے آگے تم اپنی نماز اور روزے کو حقیر سمجھوگے لیکن وہ دین سے اس طرح باہر ہوجائیں گے جیسے تیر شکار سے باہر نکل جاتا ہے۔ (پوری حدیث دیکھیں)

یہاں پر یہ جان لینا ضروری ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فتح حنین کے موقع پر زیادہ مال غنیمت دے کر جن لوگوں کی تالیف قلب کی وہ قریش کے معزز افراد تھے اور قبائل عرب میں ان کا بہت اچھا اثر تھا اور ابھی وہ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے ابھی اتنا وقفہ نہیں ہوا تھا کہ اسلام ان کے دل میں راسخ ہوتا اس لیے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مصالح کے پیش نظر مال غنیمت کی تقسیم میں ان کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا تاکہ اسلام ان کے دل میں اچھی طرح بیٹھ جاے اور یہ حکومت کے مقتضیات میں سے بھی ہے بسا اوقات حکومت کا معاملہ ایسے بااثر لوگوں سے پڑتا ہے جو پوری طرح حکومت کی رعیت اور تابع دار نہیں ہوتے وہ ایسی پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ اگر انہیں بہ زور طاقت قابو میں رکھنے کی کوشش کی گئ تو اندیشہ رہتا ہے کہ وہ کہیں دشمن سے مل کر بہت بڑے خطرے کا باعث نہ بن جائیں جیسا کہ سرحدی علاقے میں کبھی کبھی ایسا معاملہ سامنے آتا ہے ایسی صورت میں حکومت کا طرز عمل ان کے ساتھ ہمدردانہ ہوتا ہے حکومت ان کی پوری ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے اوروں کی بہ نسبت انہیں زیادہ مراعات دیتی ہے اور کبھی کبھی ان کی مالی سرپرستی بھی کرتی ہے تاکہ یہ دشمن کے قریب نہ ہوں اور حکومت کے وفادار بن کر رہیں۔ انہیں مصالح کے پیش نظر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان نومسلم معززین قریش کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا اور انھیں زیادہ مراعات دیں لیکن منافقین کو یہ سب کچھ برداشت نہ ہوسکا اور انھوں نے اپنا نفاق ظاہر کردیا جس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی گردن اتارنے کی اجازت چاہی جس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے شان رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گستاخی کی تو وہ قابل گردن زدنی مجرم

ہے وہ اسی لائق ہے کہ اس کی گردن سر سے اتار دی جائے۔

پندرہویں آیت:

"سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِیْنَ" [1]

کوئی دم جاتا ہے کہ ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے کہ انھوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا جس پر اس نے کوئی سمجھ نہ اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا برا ٹھکانا ناانصافوں کا۔(کنزالایمان)

سولہویں آیت:

"وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَ لِتَكُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ یَهْدِیَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۙ" [2]

اور اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے بہت سی غنیمتوں کا کہ تم لوگے تو تمھیں یہ جلد عطا فرمادی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے اور اس لیے کہ ایمان والوں کے لیے نشانی ہو اور تمہیں سیدھی راہ دکھادے۔(کنزالایمان)

اس قسط کی پہلی آیت میں اللہ تبارک و تعالی نے مسلمانوں کی استقامت اور تسکین خاطر کے لیے فرمایا ہے کہ تم کفار ومشرکین کی عارضی فتح اور کامیابی سے کبیدہ خاطر نہ رہو ہم جلد ہی ان کے دلوں میں تمھارا رعب اور ہیبت ڈال دیں گے جس سے وہ میدان چھوڑ بھاگ کھڑے ہوں گے۔

۱-آل عمران، آیت:۱۵۱

۲-الفتح، آیت:۲۰

غزوات کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ غزوۂ احد میں اولاً مسلمان کفار و مشرکین مکہ پر غالب آگئے تھے اور وہ فاتحانہ شان کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے لیکن تیر اندازوں کی غفلت اور مورچہ چھوڑ دینے کی وجہ سے ان کی فتح شکست سے بدل گئی نتیجہ یہ ہوا کہ باختلاف روایت ۱۰۸ یا ۷۴ کی تعداد میں انصار و مہاجرین صحابہ شہید ہوگئے خود حضور سید عالم ﷺ کی ذات بابرکات لہولہان ہوگئی آپ کے نیچے کا دانت شہید ہوگیا لبہائے مبارک پر بھی زخم آئے عمرو بن قمیہ نے ایک پتھر اس زور سے مارا کہ خود کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں دھنس گئیں دشمن کے کھودے ہوئے خفیہ گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں آپ گر گئے حضرت علی اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سہارا دے کر آپ ﷺ کو کھڑا کیا حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے اپنے دانتوں سے خود کی کڑیاں یکے بعد دیگرے نکالیں جس سے خود ان کے دو دانت گر گئے حضرت ابو سعید خدری کے والد حضرت مالک بن سنان نے چہرہ مبارک سے خون چوس کر نکالا حالت یہ ہوئی کہ حضرت خالد بن ولید (جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) کے حملے سے اسلامی لشکر میں افراتفری مچ گئی اور کفار و مشرکین دوبارہ منظم ہوکر حملوں پر حملے کرنے لگے ابوسفیان (اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) اور ان کے ساتھی میدان میں گھوم گھوم کر حضور سید عالم ﷺ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی نعشیں تلاشتے پھر رہے تھے ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر مسلمانوں سے پوچھا: أَيْنَ ابْنُ أَبِيْ كَبْشَةَ؟ أَيْنَ ابْنُ قُحَافَةَ؟ أَيْنَ ابْنُ الْخَطَّابِ؟ لیکن حکم رسالت سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا ابو سفیان نے کہا: سب مارے گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے حضرت عمر کہاں برداشت کرنے والے تھے بول پڑے، دشمن خدا! تو جھوٹ بولتا ہے ہم سب یہیں پر ہیں پھر کچھ دیر تک دونوں کے مابین مکالمہ جاری رہا پھر ایسے وقت میں جب کہ مسلمان ہزیمت سے دوچار تھے احد کے دامن میں ان کی نعشیں بکھری ہوئی تھیں اور کچھ زخموں

سے چور تڑپ رہے تھے کفار ومشرکین بغیر کسی وجہ اور سبب کے بھاگ کھڑے ہوئے کفار میدان چھوڑ کر کیوں بھاگ کھڑے ہوئے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے یکایک کفار ومشرکین کے دلوں میں مسلمانوں کا ایسا رعب اور ایسی ہیبت پیدا فرمادی کہ ان کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے اور انہوں نے مکہ کی راہ لی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ.'' الی آخرہ[1]

اب مفسرین کے مابین اس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالی کا یہ وعدہ (کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب پیدا کرنا) یوم احد کے ساتھ مختص ہے یا یہ جمیع اوقات میں عام ہے؟ اکثر مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ وعدہ یوم احد کے ساتھ خاص ہے اس لیے کہ ماقبل کی آیات غزوۂ احد کے بارے میں ہی نازل ہوئی ہیں پھر اس قول کے قائلین نے احد کے دن مشرکین کے دلوں میں مسلمانوں کے رعب کے القا کی کیفیت بیان فرمائی ہے اور اس کی دو وجہیں بیان کی ہیں: اول یہ کہ کفار جب مسلمانوں پر غالب آ گئے اور انہیں شکست سے دوچار کر دیا تو اللہ تعالی نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب وجلال پیدا کر دیا اور وہ بغیر کسی وجہ اور سبب کے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے جیسا کہ ابھی بتایا گیا کہ ابوسفیان پہاڑ پر چڑھے اور کہا: أَيْنَ ابْنُ أَبِيْ كَبْشَةَ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) أَيْنَ ابْنُ قُحافَةَ؟ أَيْنَ ابْنُ الْخَطَّابِ؟ حضرت عمر نے ابوسفیان کی باتوں کا جواب دیا جس سے ابوسفیان پر لرزہ طاری ہو گیا اور ابوسفیان کو پہاڑ سے اترنے اور مسلمانوں کی طرف مزید پیش قدمی کی جرات نہیں ہو سکی اور وہ مکہ کی طرف یہ کہہ کر بھاگ کھڑے ہوئے کہ آئندہ سال یہاں پھر آئیں گے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ کفار ومشرکین نے جب مکہ کی راہ لی تو راستے میں ایک مقام پر یہ لوگ ٹھہر گئے اور ان میں دوبارہ پلٹ کر فیصلہ کن حملہ کرنے کے موضوع پر بحث ہو رہی تھی یہ اس پر برہم تھے کہ غالب آنے کے باوجود ہم نے مسلمانوں کو چھوڑ دیا یہاں

۱-آلِ عمران، آیت:۱۵۱

تک کہ جب ان لوگوں نے پلٹ کر دوبارہ حملہ کرنے اور مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا پختہ عزم و ارادہ کر لیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب و جلال پیدا کر دیا اور وہ دوبارہ حملہ کرنے کے بجائے مکہ واپس ہو گئے۔

بعض مفسرین نے یہ فرمایا ہے کہ یہ وعدہ یوم احد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ عام ہے ان حضرات کا موقف یہ ہے کہ اگر چہ یہ واقعہ یوم احد کو پیش آیا لیکن اللہ تعالیٰ عن قریب مسلمانوں کی ہیبت کفار و مشرکین کے دلوں میں پیدا فرمادے گا یہاں تک کہ وہ مغلوب اور مقہور ہوں گے اور دین اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا کر دکھایا صدیوں تک مسلمان اس دنیا کے حکمراں رہے اور دین اسلام کو تمام ادیان و مذاہب پر غلبہ حاصل رہا۔[1]

اس آیت کے تحت مفسرین نے دوسری بحث یہ کی ہے کہ کیا جمیع کفار کے دلوں میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا رعب پیدا فرمادے گا؟ یا خاص ان کفار و مشرکین کے دلوں میں جو احد کے دن مسلمانوں سے بر سر پیکار رہے بعض علما اس کی طرف گئے ہیں کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس سے عام کفار و مشرکین مراد ہیں اور جمیع مفسرین کا موقف یہ ہے کہ اس سے صرف وہ کفار مراد ہیں جنہوں نے احد کے دن بڑی بے دردی کے ساتھ مسلمانوں کا خون بہایا۔[2]

جمیع مفسرین کے اس قول سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ''سَنُلۡقِیۡ فِیۡ قُلُوۡبِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الرُّعۡبَ.'' سے ہمارے ملک یا روئے زمین کے موجودہ کفار و مشرکین مراد نہیں ہیں۔

اس آیت کے دوسرے جز: ''بِمَاۤ اَشۡرَکُوۡا بِاللّٰہِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِہٖ

۱- تفسیر کبیر ماتحت الآیۃ / تفسیر ابی سعود ماتحت الآیۃ

۲- تفسیر کبیر ماتحت الآیۃ

سُلْطٰنًا'' سے اللہ عزوجل نے کفار و مشرکین کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالنے کی علت بیان فرمائی ہے کہ یہ شرک کی دلدادہ قوم ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے فاضل مفضول کی پرستش کرے نہ تو عقل اسے قبول کرتی ہے اور نہ فطرت اس کی اجازت دیتی ہے اللہ تعالیٰ نے تمام تر قوت و عظمت انسان کی فطرت میں پیدا کر رکھا ہے اس کے باوجود وہ اپنے سے فروتر مخلوق کی پرستش و عبادت کرے اسے اپنا رزاق اور حاکم تصور کرے یہ ایسے ہی ہے جیسے شاہین ہو کر کنجشک فرومایہ کی غلامی اختیار کرے۔ حاصل یہ ہے کہ خدا کی عبادت میں کسی اور کو شریک کرنا یہ سب سے بڑا ظلم ہے اور ظاہر ہے کہ یہ سب سے بڑا اجرم ہے اور جب جرم بڑا ہے تو سزا بھی بڑی ہونی چاہیے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کے اخیر میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

(۲)۔'' وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَ لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ''[1]

سورہ فتح کی اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو کثیر غنیمتوں کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ بہت سی غنیمتوں کو ہم نے تمہیں جلد عطا کر دی ہے اس سے وہ مال غنیمت مراد ہے جو فتح خیبر کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ کی آیت ۱۹ میں کیا ہے فرماتا ہے:

''وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا''

اور بہت سی غنیمتیں جن کو لیں اور اللہ عزت و حکمت والا ہے۔ (کنزالایمان)

سورہ فتح کی اس آیت (۲۰) میں ''مَغَانِمَ كَثِيْرَةً'' سے وہ مالِ غنیمت مراد ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے قیامت تک مسلمانوں کے حق میں مخصوص اوقات میں

۱- الفتح، آیت: ۲۰

مقدر کر رکھا ہے اور ''کَفَّ اَیۡدِیَ النَّاسِ عَنۡکُمۡ'' سے وہ کون سے لوگ مراد ہیں جن کے ہاتھوں کو اللہ نے مسلمانوں تک پہنچنے سے روک دیا ہے اور مسلمانوں کی جان و مال عزت و آبرو کی ان سے حفاظت کی ہے؟ اس میں دو قول ہے پہلا یہ ہے کہ اس سے اہل خیبر اور ان کے حلیف بنو اسد اور بنو غطفان مراد ہیں جن میں اہل خیبر ہی کی تعداد ستر ہزار کی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حدیبیہ سے مراجعت کیے ہوئے ایک ماہ کا بھی عرصہ نہیں ہوا تھا کہ آپ کو خیبر کے یہودیوں کی نقل و حرکت کی خبر ملی انہوں نے بالخصوص قبیلہ بنو غطفان کے چار ہزار جنگجو بہادروں کو بھی اپنے ساتھ یہ کہہ کر ملا لیا تھا کہ اگر مدینہ فتح ہو گیا تو خیبر کی پیداوار کا نصف حصہ ہمیشہ بنو غطفان کو دیتے رہیں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب پیدا فرما دیا اور انہوں نے معاہدہ توڑ دیا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے اہل مکہ کے ہاتھ مراد ہیں۔[1]

صلح حدیبیہ کی دفعات کی رو سے دونوں فریق اس کے پابند تھے کہ دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف کوئی جنگی اقدام نہیں کریں گے اس سے مسلمانوں کو یہ فائدہ حاصل ہوا کہ انہیں یہودیوں کے خلاف اقدام کرنے کے لیے ایک اچھا موقع ہاتھ آ گیا یہود خیبر اس تصور سے کہ اب انہیں اہل مکہ کی پشت پناہی حاصل نہیں ہو سکے گی بہت جلدی حوصلہ ہار بیٹھے اور مسلمانوں کے مقابلے کی تاب نہ لا کر شکست سے دوچار ہوئے اس طرح معاہدۂ حدیبیہ کے نتیجے میں مسلمانوں کے لیے آسانی کے ساتھ فتح خیبر کی راہ ہموار ہوگئی اور یہ حقیقت مبرہن ہوگئی کہ صلح حدیبیہ مسلمانوں کی شکست نہیں بلکہ عظیم فتوحات کا دیباچہ اور پیش خیمہ ہے۔

''وَلِتَکُوۡنَ اٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ یَہۡدِیَکُمۡ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا''

اس آیت مبارکہ کا مدلول و منطوق تعجیل اور کف ہے یعنی حدیبیہ سے مراجعت

۱۔ تفسیر روح البیان ماتحت الآیۃ/ تفسیر ابی سعود ماتحت الآیۃ

کے فوراً بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو تمہیں خیبر کی فتح عطا فرمائی اور اس کے نتیجے میں جو تمہیں کثیر غنیمتیں عطا کیں اور دشمن کی دست رس کو تم سے روک کر تمھاری حفاظت فرمائی اس میں مومنوں کے لیے نشانی ہے اس نشانی سے مسلمانوں کو اس کی معرفت ہو جاے گی کہ صلح حدیبیہ کی دفعات بظاہر مسلمانوں کی کمزوری کی طرف مشعر ہیں لیکن وہ در پردہ بڑی بڑی فتوحات کا پیش خیمہ ہیں خیبر کی فتح جس کا ایک شان دار نمونہ ہے اور ابھی مکہ بھی فتح ہو گا حرم کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھل جائیں گے عرب و عجم اسلام کے زیر نگیں ہوں گے اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیبیہ سے مراجعت کے وقت صحابہ سے جو وعدہ فرمایا تھا کہ یہ صلح تمھارے لیے فتح مبین ہے اس کی صداقت مسلمانوں پر رفتہ رفتہ واضح سے واضح تر ہوتی چلی جاے گی اور یہ آیت مبارکہ مسلمانوں کو صراط مستقیم یعنی ہر حال میں اللہ پر توکل اور اس پر اعتماد کی راہ دکھائے گی۔

سترہویں و اٹھارہویں آیت:

"فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا ۙ وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءً ۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾"[1]

تو بے شک ضرور ہم کافروں کو سخت عذاب چکھائیں گے اور بے شک ہم ان کے برے سے برے کام کا بدلہ دیں گے۔ یہ ہے اللہ کے دشمنوں کا بدلہ آگ انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے سزا اس کی کہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ (کنزالایمان)

سورہ "حٰم السجدۃ" کی آیات ۲۶، ۲۷، ۲۸ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جرم اور سزا دونوں کو آشکار فرمایا ہے لیکن معترضین نے مقصد بر آری کے لیے صرف آیت ۲۷ اور ۲۸

۱- حٰمٓ السجدہ، آیت: ۲۷، ۲۸

کو پیش کیا ہے اور آیت ۲۶ کو وہ گول کر گئے ہیں جس میں مجرمین کے جرم کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔ واقعہ ہے یہ کہ قرآن خدا کی نازل کردہ کتاب ہے جس میں دنیا بھر کے علوم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جمع کردیا ہے جیسا کی ابن سراقہ کتاب الاعجاز میں حضرت ابوبکر بن مجاہد سے روایت کرتے ہیں: وہ فرماتے ہیں:

"مَا مِنْ شِيْءٍ فِی الْعَالَم إِلَّا وَھُوَ فِیْ کِتَاب اللهِ"[1]

اور ابن برہان سے مروی ہے: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ارشاد فرماتے ہیں:

"مَا مِنْ شَئیً فَھُوَ فِی الْقُرْآنِ أَوْ فِیْهِ أَصْلُهُ قَرُبَ أَوْ بَعُدَ"[2]

کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو قرآن میں نہ ہو یا اس کی اصل قرآن میں نہ ہو خواہ وہ قریب ہو یا بعید۔ اس حدیث کا بھی حاصل یہی ہے کہ قرآن میں ہر شے کا علم موجود ہے اب اگر اللہ نے فہم و ادراک کی صلاحیت دی ہے تو طالب اپنی سمجھ کے مطابق قرآن سے کسی بھی شے کے علم کا استخراج کر سکتا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ نے ایک بار مکۃ المکرمہ میں فرمایا:

"سَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ أُخْبِرُکُمْ عَنْهُ فِی کِتَابِ اللهِ."[3]

تم مجھ سے جس چیز کے بھی بارے میں پوچھو گے میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہ قرآن میں ہے یعنی قرآن پاک سے میں اس کا جواب دوں گا۔

اس قسم کے مزید شواہد آپ "الاتقان" میں دیکھ سکتے ہیں۔

زبان و بیان کے اعتبار سے بھی قرآن ایک معجز کتاب اور کلامِ الٰہی ہے۔ فصاحت و بلاغت میں یکتائے زمانہ ہونے کے باوجود فصحائے عرب اس کا جواب نہیں پیش کر

۱- الاتقان، الجزء الثانی ص ۱۶۰

۲- الاتقان، ص: ۱۶۰

۳- الاتقان، ص: ۱۶۰

سکے اللہ تبارک وتعالیٰ نے متعدّد مقامات پر انھیں چیلنج کیا کہ اگر تم اپنے اس وعدے میں سچے ہو کہ قرآن آسمانی کتاب نہیں ہے تو تم اس جیسا کلام پیش کرو! اللہ فرماتا ہے:

”فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾“[1]

تو اس جیسی ایک بات تو لے آئیں اگر سچے ہیں۔ (کنزالایمان)

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں چیلنج کیا کہ اگر تم پورے قرآن کا جواب نہیں لا سکتے تو اس کی کسی دس سورت کا ہی جواب لے آؤ! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ“[2]

کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے جی سے بنا لیا؛ تم فرماؤ تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ! (کنزالایمان)

پھر علی سبیل التنزل اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں چیلنج دیا کہ دس سورت کا جواب تو بڑی بات ہے تم اس کی کسی ایک سورت کا ہی جواب پیش کر دو!! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ“[3]

کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے بنا لیا ہے تم فرماؤ تو اس جیسی ایک سورت لے آؤ۔ (کنزالایمان)

اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حکم خداوندی سے اہلِ مکہ کو مختلف لب ولہجے میں برابر چیلنج کرتے رہے لیکن وہ ایک سورت کیا اس کی ایک آیت کا بھی جواب نہیں لا سکے اور یہ چیلنج آج بھی برقرار ہے اگر وسیم رضوی یا اسلام دشمن عناصر کا یہ دعوی ہے کہ قرآن خدا کی کتاب نہیں ہے یا اس کی کچھ آیات میں انسانی کلام کی آمیزش ہو گئی ہے تو وہ پورے قرآن

۱- الطور، آیت: ۳۴

۲- ہود، آیت: ۱۳

۳- یونس، آیت: ۳۸

کا جواب نہیں بلکہ وہ صرف انہیں جیسی آیات پیش کریں جن کے بارے میں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ فصحاے عرب قرآن کو در کنار کرنے اور اس کے نور کو بجھانے کے انتہائی حریص ہونے کے باوجود قرآن کی کسی آیت کا جواب نہ لا سکے اگر ان کے اندر قرآن کا جواب لانے کی قدرت ہوتی تو ضرور اس کا جواب پیش کرتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود در پردہ قرآنی تاثیرات سے متاثر تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ولید بن مغیرہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا آپ نے اسے قرآن کی آیات سنائیں جسے سن کر ولید بن مغیرہ پر رقت طاری ہوگئی اور وہ آبدیدہ ہو گیا شدہ شدہ یہ خبر ابو جہل تک پہونچی وہ ولید بن مغیرہ کے پاس آیا اور کہا: اے چچا! آپ کی قوم آپ کے لیے کچھ مال جمع کرنا چاہتی ہے۔ ولید نے پوچھا کس لیے؟ ابو جہل نے کہا: وہ تجھے دینا چاہتے ہیں کیوں کہ تم محمد کی خدمت میں جاتے ہو اس نے کہا: قریش کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ان میں سب سے بڑا مال دار ہوں۔ ابو جہل نے کہا: پھر آپ محمد کے بارے میں کوئی ایسی بات کہیں جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ ولید نے حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

”فَوَاللهِ مَا فِيْكُمْ رَجُلٌ اَعْلَمُ بِالشِّعْرِ مِنِّىْ وَلَا بِرَجْزِهٖ وَلَا بِقَصِيْدِهٖ وَلَا بِأَشْعَارِ الْجِنِّ وَاللهِ مَا يَشْبَهُ الَّذِىْ يَقُوْلُ شَيْئًا مِنْ هٰذَا وَاللهِ أَنَّ لِقَوْلِهِ الَّذِىْ يَقُوْلُ حَلَاوَةً وَّأَنَّ عَلَيْهِ لَطُلَاوَةً وَّ لَمُثْمَرٌ أَعْلَاهُ مُغْدَقٌ أَسْفَلَهٗ وَأَنَّهٗ يَعْلُوْ وَلَا يُعْلٰى عَلَيْهِ وَأَنَّهٗ يَحْطِمُ مَا تَحْتَهٗ.“[1]

ولید نے کہا: واللہ تمھیں خوب علم ہے کہ تم میں کوئی مجھ سے زیادہ شعر کا جاننے والا نہیں ہے میں اشعار کی اقسام رجز اور قصیدے سے خوب واقف ہوں اسی طرح اجنہ کے

۱- الاتقان، الجزء الثانی ص ۱۴۰، ۱۵۰

اشعار کا بھی خوب علم رکھتا ہوں اللہ گواہ ہے کہ ان کا کلام ان سب سے نرالا ہے واللہ ان کے کلام میں شیرینی اور حسن و آرائش ہے اور بے شک ان کے کلام کا بالائی حصہ لذیذ پھلوں سے لدا ہوا ہے اور اس کا نچلا حصہ سوکھی پتیوں اور شاخوں سے دور ہے ان کا کلام بلند ہونے والا ہے اسے کوئی پست نہیں کر سکتا یہ جس پر پڑ جائے گا اسے روند کر ریزہ ریزہ کر دے گا۔

حاصل یہ ہے کہ جب قریشِ مکہ قرآن کا جواب پیش کرنے سے عاجز آ گئے اور انہوں نے دیکھا کہ قرآنی تاثیرات کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے اور روسائے قریش اور معززین مکہ بھی اسلام میں آتے جا رہے ہیں تو وہ عناد پر اتر آئے اور قرآن کا مذاق اڑانے لگے کبھی کہتے کہ یہ جادو ہے کبھی اسے شعر بتاتے اور کبھی کہتے کہ یہ پہلے والے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں اور جب اس سے بھی بات نہیں بنی تو وہ حرب و ضرب، قتل و قتال پر آمادہ ہو گئے۔ غربائے صحابہ پر ستم ڈھانے لگے اور انہیں قیدی بنانے لگے، ان کی جان و مال کو مباح کر لیا اور اس پر بھی جب بات نہیں بنی تو انہوں نے اپنے لوگوں کو ورغلانہ شروع کر دیا کہ جب محمد ﷺ قرآن پڑھیں تو تم اس پر خاموش نہ رہو بلکہ تم زور زور سے خوب شور اور ہنگامہ کرو، چیخو چلاؤ، تالیاں اور سیٹیاں بجاؤ تاکہ قرآن کے کلمات تمھارے کانوں سے نہ ٹکرائیں اور قرآن شور اور ہنگامے کی نذر ہو جائے جیسا کہ سورۂ ''حٰمٓ السجدۃ'' کی آیت ۲۶ اس پر شاہد ہے جسے معترضین نے چالاکی دکھاتے ہوئے اپنے اعتراض سے حذف کر دیا ہے۔

''وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ.''

اور کافر بولے یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بے ہودہ غل کرو شاید یوں ہی تم غالب آؤ۔ (کنزالایمان)

یہ ان کی جہالت اور خام خیالی تھی کہ اس طرح وہ بانیِ اسلام ﷺ پر غالب آجائیں گے اور اسلام کو مٹا دیں گے اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب کا مددگار ہے اور اس کی مدد کے آگے ساری رکاوٹیں ہیچ ہیں۔ پھر اللہ عزوجل نے اس سورہ کی آیت ۲۷، ۲۸ میں ان کے اس بدترین جرم اور گھٹیا حرکت کی سزا کو بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نادانو! جب اس کا انجام تمھارے سامنے آئے گا اور تمھیں اس کی سخت سزا دی جائے گی پھر تمھیں اندازہ ہوگا کہ ہم نے کون سی حرکت کی تھی۔ کَمَا تُدِیْنُ تُدَانُ الٰہی قانون ہے اور اسی روش پر دنیا کی حکومتیں بھی گامزن ہیں۔

انیسویں آیت:

''رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا''[1]

اے ہمارے رب انہیں آگ کا دونا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر!

(کنزالایمان)

بیسویں آیت:

'' وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَاؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ''[2]

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی پھر اس نے ان سے منہ پھیر لیا بے شک ہم مجرموں سے بدلہ لینے والے ہیں۔(کنزالایمان)

اکیسویں آیت:

''اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَؕ اَنْتُمْ لَهَا

۱- الاحزاب، آیت: ۶۸

۲- السجدہ، آیت: ۲۲

وٰرِدُوْنَ "[1]

بے شک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہیں تمہیں اس میں جانا ہے۔ (کنزالایمان)

(۱)-سورۂ احزاب کی آیت ۶۸ کا تعلق ماقبل کی آیات سے ہے لٰہذا ہم یہاں پر سورۂ احزاب کی آیت ۶۶،۶۷ کے ساتھ اس کی تشریح کرتے ہیں۔

جب بروز قیامت منکرین توحید و رسالت کو سخت عذاب سے دوچار کیا جائے گا اور جہنم میں ان کے اجسام الٹ پلٹ دیے جائیں گے یعنی انہیں جہنم کی آگ میں اوپر نیچے ہر طرف سے بھون دیا جائے گا جیسے کہ آگ یا ہانڈی میں گوشت الٹ پلٹ کر بھونا جاتا ہے اس وقت انہیں اپنے جرائم کا احساس ہوگا اور وہ انتہائی حسرت و افسوس سے کہیں گے: اے کاش! کہ ہم نے اللہ و رسول کی اطاعت اور فرماں برداری کی ہوتی تو آج ہم اس عذاب میں مبتلا نہیں کیے جاتے اور ہمیں یہ دن نہ دیکھنے پڑتے اور اپنے عذر کی تائید اور تقویت کے لیے وہ رب ذوالجلال سے فریاد کریں گے کہ ہمارے بڑوں نے جھوٹ پر سچ اور باطل پر حق کی ملمع سازی کر کے ہمیں گمراہ کر دیا اور ہم ان کے جھانسے میں آگئے لہذا ہمارے گناہوں اور غلطیوں کے اصل ذمہ دار اے ہمارے رب! وہی لوگ ہیں۔ ہمارا قصور ضرور یہ ہے کہ ہم ان کی باتوں میں آگئے اور ہم نے تیرے رسول کی اطاعت سے منہ موڑ لیا لیکن یہ سب انہیں کے کہنے پر ہوا لہذا ہم اگر اس سزا کے مستحق ہیں تو وہ اس لائق ہیں کہ انہیں دہری سزا دی جائے اس لیے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور ہمیں بھی گمراہی کی دلدل میں ڈھکیل دیا لہذا اے ہمارے رب! تو ان پر شدید لعنت فرما!

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ صاف ہو گیا کہ سورۂ احزاب کی آیت ۶۸ میں اللہ تعالی سے جو فریاد کی گئی ہے اس میں فریادی مومنین نہیں ہوں گے بلکہ وہ منکرین و مشرکین

۱- الانبیاء، آیت:۹۸

ہوں گے جنھوں نے دنیا میں اپنے بڑوں کی فرماں برداری کی اور ان کے کہے پر چلے اور بار بار وعظ و تذکیر کے باوجود وہ توحید و رسالات پر ایمان نہیں لائے۔۔

(۲)- سورۂ سجدہ کی آیت ۲۲ سے پہلے کی آیات میں ایمان اور کفر کی جزا اور سزا کو بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ ہم عذابِ اکبر یعنی عذاب آخرت سے پہلے دنیا ہی میں انہیں عذاب کا کچھ ذائقہ چکھائیں گے تا کہ یہ متنبہ ہو جائیں اور اپنی آنکھوں سے انجامِ بد دیکھ کر کفر و شرک سے توبہ کرلیں۔ اور ایسا ہی ہوا ہجرت سے قبل قریشِ مکہ امراض و مصائب میں گرفتار ہوئے اور ہجرت کے بعد بدر میں روسائے قریش قتل کیے گئے اور سات سال تک قحط کی ایسی سخت مصیبت میں مبتلا رہے کہ ہڈیاں، مردار اور کتے تک کھا گئے۔ [1]

اور اب آیت ۲۲ میں ماقبل کی آیات میں جو وعید کی گئی ہے اس کی علت بتائی جا رہی ہے کہ آخر ہم انہیں عذاب سے کیوں نہ دو چار کریں ان سے بڑھ کر ظالم اور مجرم کون ہو سکتا ہے؟ جن کو ہماری آیات کے ذریعہ بار بار وعظ و نصیحت کی گئی، بار بار انہیں راہِ حق دکھائی گئی، نئے نئے مؤثر انداز میں سمجھایا گیا کہ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟ پھر بھی انہوں نے روگردانی کی اور حق قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے لہٰذا مشیتِ الہیہ کے مطابق اب کوئی چیز باقی نہیں رہی سوائے اس کے کہ ان سے انتقام لیا جائے اور انہیں ان کے جرموں کی سزا دی جائے اس لیے کہ اب یہ یقیناً مجرم ہیں، قابل گردن زدنی ہیں۔

ان آیات میں اکثر الفاظ اگرچہ عام ہیں لیکن ان کے اولین مخاطب مکہ کے کفار و مشرکین ہی ہیں۔

(۳)- سورۂ انبیا کی آیت ۹۸ کے مخاطب کفار و مشرکین مکہ ہیں۔ اس آیت میں مبالغہ فی الانذار کی غرض سے ان کا انجامِ بد صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تا کہ ان کے لیے اب کوئی عذر باقی نہ رہے۔ اس آیت کے تحت مفسرین نے یہ روایت کی ہے کہ حضور

۱- خزائن العرفان ماتحت الآیت

علیہ الصلوۃ والسلام نے صنادید قریش کے روبرو کعبہ شریف کے پاس اس آیت (الأنبیاء ۹۸) کی تلاوت فرمائی تو عبداللہ بن زبعری نے کہا: رب کعبہ کی قسم! میں تمھارا مقابلہ کروں گا! کیا یہود نے عزیر، نصاری نے مسیح اور بنو ملیح نے ملائکہ کی عبادت نہیں کی؟

ابن زبعری کے اعتراض کا مقصد یہ تھا کہ اس آیت کے مطابق ہم اور ہمارے معبود سب جہنم میں داخل ہوں گے اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت عزیر، حضرت عیسیٰ، ملائکہ علیہم السلام بھی جہنم کا ایندھن ہوں اور یہ سب بھی ہمارے ساتھ جہنم میں داخل ہوں کیوں کہ ان کی بھی عبادت کی گئی ہے اور یہ نفس الامر کے خلاف ہے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ابن زبعری کے معارضہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم اپنی قوم کی لغت سے ناواقف ہو؟ اور کیا تم نہیں جانتے ہو کہ "ما" غیر ذوی العقول (بے جان چیز) کے لیے آتا ہے۔[1]

بعض مفسرین نے ابن زبعری کے معارضہ کے جواب میں اور بھی روایتیں نقل کی ہیں لیکن صاحب تفسیر ابی سعود نے ان کی تردید کی ہے۔

کفار و مشرکین مکہ غیرِ خدا کی پرستش کرتے تھے چاہے وہ انہیں لائق سجدہ گردانتے رہے ہوں یا تقرب کا ذریعہ جان کر ان کی عبادت کرتے رہے ہوں ہر حال میں یہ شرک ہے اس لیے اس آیت میں فرمایا گیا کہ مشرکین اور معبودانِ باطل سب جہنم کا ایندھن ہوں گے، سب کو جہنم میں داخل ہونا ہو گا۔

اس آیت میں "ما تعبدون" سے مفسرین کرام نے بتوں کو مراد لیا ہے اس میں اللہ کے وہ نیک بندے (حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر، ملائکہ علیہم السلام) داخل نہیں ہیں جن کی پرستش شیطان کے ورغلانے سے کی گئی ہے اس لیے کہ "ما" اسم موصول ہے جو غیر ذوی العقول (بے جان چیز) کے لیے آتا ہے۔

۱- تفسیر ابی سعود، الجزء السادس ۸۵، ۸۶

بائیسویں آیت:

''وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا''[1]

اور جب تم زمیں میں سفر کرو توتم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے پڑھواگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمھیں ایذادیں گے بے شک کفار تمھارے کھلے دشمن ہیں۔(کنزالایمان)

تیئیسویں آیت:

''فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ''[2]

توکھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال پاکیزہ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(کنزالایمان)

سورہ نساء آیت ۱۰۱ کے تحت یہ جان لینا ضروری ہے کہ دشمن کا خوف نماز میں قصر کی شرط نہیں ہے بلکہ یہ بیان حال کے لیے ہے آیت کے نزول کے وقت سفر اندیشہ سے خالی نہیں ہوتے تھے اس لیے بیانِ حال کی غرض سے یہاں خوف کا ذکر کیا گیا ہے لہذا شرطِ قصر وہ سفر ہے جسے فقہا نے بیان فرمایا ہے چاہے وہ جہاد کے لیے ہو یا سفرِ تجارت ہو یا کسی اور غرض سے وہ سفر کیا گیا ہو۔

مجاہدین اسلام کو جن امور کی حاجت درپیش ہوتی ہے ان میں سے ایک امر یہ ہے کہ وہ دشمن کے خوف اور اس سے جنگ کے وقت نماز کس طرح ادا کریں؟ اسی اہم مسئلہ

۱-النساء، آیت:۱۰۱

۲-انفال، آیت:۶۹

کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت سے بیان فرمایا ہے۔

لفظِ "قصر" تخفیف کی طرف مشعر ہے اس لیے کہ اس آیت میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ قصر سے کیا مراد ہے؟ رکعتوں کی مقدار اور ان کی تعداد میں قصر مثلاً چار رکعتوں والی نماز کو دو رکعت پڑھنا یا نماز کی ادائیگی کی کیفیت میں قصر مثلاً اشارے سے نماز پڑھنا اس لیے اس آیت میں مفسرین کے دو اقوال ہیں:

(۱)- اس آیت میں قصر سے رکعات کی تعداد میں قصر مراد ہے جمہور مفسرین کا یہی قول ہے پھر جمہور کے مابین اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں صلاۃ سے صلاۃِ سفر مراد ہے یا صلاۃِ خوف مراد ہے بعض اس بات کے قائل ہیں کہ اس سے صلاۃِ سفر مراد ہے اس تقدیر پر ہر وہ نماز جو حضر میں چار رکعت پڑھی جاتی ہے وہ سفر میں صرف دو رکعت پڑھی جائے گی مثلاً ظہر، عصر اور عشا کی نمازیں مغرب اور فجر کی نماز اس میں داخل نہیں ہے یعنی ان نمازوں میں قصر نہیں ہے۔

اور بعض کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں صلاۃِ سفر یعنی مسافر کی نماز مراد نہیں ہے بلکہ صلاۃ خوف مراد ہے حضرت ابن عباس، حضرت جابر بن عبد اللہ اور ایک جماعت کا یہی قول ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمھارے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان پر نمازِ حضر کو چار رکعت نمازِ سفر کو دو رکعت اور نمازِ خوف کو ایک رکعت فرض قرار دیا ہے۔[1]

امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ سلف کی ایک جماعت نے اس پر عمل کیا ہے کہ خوف کے وقت ایک رکعت نماز ادا کی جائے گی۔ امام حسن بصری اور اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے لیکن امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ نمازِ خوف نمازِ امن کی طرح ہے یعنی

۱- مسلم جلد ۱، کتاب صلاۃ المسافرین و قصرہا۔ ص ۲۴۱

حضر میں چار رکعت اور سفر میں دو رکعت پڑھی جائے گی ایک رکعت ان کے نزدیک کسی بھی حال میں روا نہیں ہے ان حضرات نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں ایک رکعت سے وہ رکعت مراد ہے جو حالتِ خوف میں امام کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اور دوسری الگ سے پڑھی جاتی ہے۔[1]

یہ دونوں قول اس پر متفرع ہیں جب کہ قصر سے رکعتوں کی تعداد میں تقلیل مراد ہو (کمی ہو)۔

(۲)- دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں قصر سے ادائے رکعات کی کیفیت میں تخفیف مراد ہے اور تخفیف یہ ہے کہ نماز میں اشارے پر اقتصار کیا جائے یعنی رکوع اور سجدہ صرف اشارے سے کیا جائے اور اختصار کے ساتھ نماز پڑھی جائے اس صورت میں چل چل کر نماز پڑھنا جائز ہے اور خون سے لت پت ہو کر بھی نماز پڑھنا جائز ہے یہ وہ نماز ہوتی ہے جو میدانِ جنگ میں تلواروں کے سائے میں ادا کی جاتی ہے جب معرکۂ کارزار گرم ہوتا ہے ہر چہار جانب سے تلواریں لہرا رہی ہوتی ہیں دشمن کی ضربِ کاری سے کب جسم خون سے لت پت ہو جائے؟ یا کب جان چلی جائے؟ اس کی کوئی خبر نہیں ہوتی ہے ایسے وقت میں یہ نماز پڑھی جاتی ہے۔

صاحبِ تفسیر کبیر نے اس قول (رکعات کی ادائیگی میں تخفیف) کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اس آیت میں لفظ قصر کو مدت سفر میں چار رکعات کی نماز کو دو رکعت پڑھے جانے پر محمول کرنا ہی اولیٰ ہے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت یعلیٰ بن امیہ سے مروی ہے۔ حضرت یعلیٰ بن امیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرتِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ...

۱- شرح مسلم للنووی: کتاب صلاۃ المسافرین وقصرہا، ص ۲۴۱

الی آخر الآیۃ"

جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر گناہ نہیں ہے کہ تم بعض نمازیں قصر سے پڑھو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے۔ اور اب تو لوگ امن میں ہیں (یعنی اب دشمن کا کوئی خوف نہیں ہے پھر قصر کیوں ضروری ہے؟) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس حکم سے مجھے بھی اسی طرح تعجب ہوا جیسے تمہیں تعجب ہوا تو میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

"صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ بِهَا عَلیكُم فاقْبِلُوا صَدْقَتَه."[1]

یہ اللہ نے تمھیں صدقہ عطا فرمایا ہے لہٰذا اس کا صدقہ قبول کرو!

صاحب تفسیر کبیر نے اس کی اور بھی دلیلیں دی ہیں فارجع۔[2]

نمازِ خوف کس طرح ادا کی جائے گی اس کے لیے فقہ کی کتابیں دیکھیں! (الرضوی)

"إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا": یہ ماقبل کے مضمون کی علت ہے یعنی اس جز میں کفار و مشرکین کے متوقع فتنے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ کفار و مشرکین تمھارے کھلے دشمن ہیں۔

عہدِ رسالت میں کفار ہمیشہ مسلمانوں کے درپے آزار رہتے تھے اور مسلمانوں کی مشغولیت کا وہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے حتی کہ نماز میں بھی وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے منصوبے بنایا کرتے تھے اس لیے اس آیت میں مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ ان سے ہمیشہ ہوشیار اور چوکنا رہنا! انہیں تم سے قلبی عداوت اور رنجش ہے یہ کسی بھی وقت تمہیں آزمائش سے دوچار کر سکتے ہیں۔

یہ عداوت آج بھی ظاہر ہے غیر مسلم سپر طاقتیں آج بھی مسلمانوں کو اپنے تشدد کا

۱- مسلم جلد اول صلاۃ المسافرین وقصرہا، ص ۲۴۱

۲- تفسیر کبیر ماتحت الآیۃ

نشانہ بنا رہی ہیں سوشل میڈیا پر کمزور اور بے دست و پا مسلمانوں پر ایسے ایسے روح فرسا مظالم کے ویڈیو دیکھنے میں آرہے ہیں جس سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جنونی بھیڑ جب چاہتی ہے راہ چلتے بے قصور مسلمانوں کو مار مار کر ہلاک کر ڈالتی ہے اور ان مجرمین کو قرارِ واقعی سزا کیا ان سے باز پرس بھی نہیں ہوتی کیا ان مظالم سے یہ ظاہر نہیں ہوتا ہے کہ دنیا مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھ رہی ہے۔

(۲)-" فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ "[1]

اس آیت میں مسلمانوں کو مالِ غنیمت کھانے کا حکم دیا گیا ہے اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ صحابۂ کرام مالِ غنیمت کے لینے سے باز آگئے تھے تو اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مسلمانوں کو بتایا کہ مالِ غنیمت تمھارے لیے مباح ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں "ما" سے وہ فدیہ مراد ہے جس کا تذکرہ ماقبل کی آیات میں ہے اس تقدیر پر آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ وہ فدیہ جملہ غنائم میں سے ہے اور وہ بھی تمھارے لیے حلال اور مباح ہے۔[2]

اسیرانِ بدر جب قیدی بنا کر بارگاہِ رسالت میں لائے گئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے بارے میں صحابۂ کرام سے مشورہ کیا بعض صحابہ جن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر فہرست ہیں، نے یہ مشورہ دیا کہ یہ ہمارے گھر خاندان کے لوگ ہیں ان کے قتل سے کیا فائدہ؟ ہو سکتا ہے یہ آگے چل کر ایمان لے آئیں لہٰذا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور ان کی جان بخشی کی جائے اور بعض صحابہ جن میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سر فہرست تھے، نے یہ مشورہ دیا کہ انہیں قتل کر دیا جائے انہوں نے ہمیں بڑی

۱-انفال، آیت:۶۹

۲-تفسیر ابن سعود الجزء الرابع ص ۳۶

تکلیفیں دی ہیں لہذا یہ اس کے مستحق ہیں کہ ان کی گردنیں اڑادی جائیں ان کے فدیہ کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہم میں قرابت دار اپنے قرابت دار کو قتل کرے !علی ! عقیل کو، حمزہ !عباس کو اور خود میں اپنے فلاں رشتہ دار کو قتل کروں لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر کے مشورے پر عمل کیا اور ان سب کو جو ستر کی تعداد میں تھے اور اکثر معززین قریش میں سے تھے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اسی فدیہ کے بارے میں اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ یہ بھی جملہ غنائم میں سے ہے اور تمھارے لیے مباح ہے۔

بعد میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت نازل فرما کر حضرت عمر فاروق اور ان کے موافقین کی رائے کی تائید فرمائی ہے سورۂ انفال کی آیت ۶۷ اسی کی طرف مشعر ہے۔ (الرضوی)

چوبیسویں آیت:

''يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِن يَكُن مِّنكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُواْ مِئَتَيْنِ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّئَةٌ يَغْلِبُواْ أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُواْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَّ يَفْقَهُونَ''[1]

اے غیب کی خبریں بتانے والے! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں کے بیس صبر والے ہوں گے دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں کے سو ہوں تو کافروں کے ہزار پر غالب آئیں گے اس لیے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے۔ (کنزالایمان)

پچیسویں آیت:

''يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ.''[2]

۱- انفال، آیت:۶۵

۲- تحریم، آیت:۹

اے غیب بتانے والے (نبی) کافروں پر اور منافقوں پر جہاد کرو، ان پر سختی فرماؤ اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور کیا ہی برا انجام۔ (کنزالایمان)

سورۂ انفال اور تحریم کا نزول مدینہ شریف میں ایسے حالات میں ہوا جب کہ کفار و مشرکین مکہ کی ریشہ دوانیاں کسی پہلو رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ اللہ کے رسول ﷺ اہل مکہ کے انسانیت سوز مظالم سے تنگ آکر مع اصحاب مدینہ ہجرت کر گئے تھے تاکہ سکون و اطمینان کے ساتھ دعوتِ حق کا کام انجام دے سکیں لیکن کفار و قریشِ مکہ کی سازش سے یہاں بھی آپ محفوظ نہیں رہے قریش نے سب سے پہلے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ان اصحاب کو ساز باز کر کے اپنا ہم نوا بنا لیا جو اس وقت ایمان نہیں لائے تھے قریش نے انہیں لکھا کہ تم نے ہمارے جس آدمی کو اپنے یہاں پناہ دیا ہے اسے وہاں سے نکال دو ورنہ ہم تمھیں تباہ و برباد کر دیں گے اور تمھارا نشان تک مٹا دیں گے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فہم و تدبر اور پیغمبرانہ بصیرت سے وہ اس میں ناکام ہو گئے لیکن قریش اپنی حرکت سے باز نہیں آئے جب ابن ابی سے کام نہیں چلا تو انھوں نے یہودِ مدینہ سے پینگیں بڑھانا شروع کر دیا اور انھیں اپنے ساتھ ملا لیا اور ان کے توسط سے مسلمانوں کو کہلا بھیجا کہ مکہ سے صاف بچ نکل کر کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا ہم مدینہ کی زمین بھی تم پر تنگ کر دیں گے اور کسی حال میں تمھیں نہیں چھوڑیں گے۔ ان کی ناپاک حرکتوں سے ابتدائی ایام میں مدینہ کی سرزمین بھی مسلمانوں کے لیے پر امن نہیں رہ گئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری رات جاگ جاگ کر گزار دیتے تھے بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: آج کوئی اچھا آدمی پہرا دیتا! حضرت سعد بن ابی وقاص اٹھ کھڑے ہوئے اور ساری رات پہرا دیا تب جا کر آپ ﷺ نے آرام فرمایا۔ ایسے نامساعد حالات میں اللہ کے رسول ﷺ کے لیے تین راستے تھے (۱) حق اور دعوت الی الحق سے دستبردار ہو جائیں (۲) حق پر قائم رہ کر ظلم و تشدد برداشت کریں اور صحابہ کا قتل ہونے دیں (۳) ظلم

وتشدد کا جرأت و ہمت کے ساتھ مقابلہ کریں اور قریش مکہ سے پوری قوت کے ساتھ اپنا دفاع کریں اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دیں۔ غور وخوض کے بعد آپ نے تیسری راہ کا انتخاب فرمایا نتیجہ یہ ہوا کہ حق غالب آگیا اور ظالموں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔

آپ عہدِ رسالت کی اسلامی۔ جنگوں کا مطالعہ کریں خواہ وہ غزوات کی صورت میں ہوں یا سرایا کی صورت میں تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ بدر سے لے کر تبوک تک ساری جنگیں پیغمبرِ اسلام ﷺ نے اپنے دفاع میں لڑی ہیں اس لیے کہ اسلام کبھی بھی ناحق کسی پر ظلم کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے البتہ اپنے دفاع کا حق ہر کسی کو حاصل ہے۔ اس کے کچھ شواہد قرآن پاک سے ملاحظہ فرمائیں!

(۱) ''وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ج''[1]

اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو! (کنزالایمان)

(۲) ''ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ صلے وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ.''

اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو (آیات و دلائل سے دعوت دیں، جنگ و جدال سے نہیں) (کنزالایمان)

(۳) ''فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ''[2]

اور اگر تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو۔ (کنزالایمان)

(۴) ''وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ صلے وَلَئِن صَبَرْتُمْ

۱- البقرۃ، آیت: ۱۹۰

۲- البقرۃ، آیت: ۱۹۱

لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ''[1]

اور اگر تم سزا دو تو ویسی ہی سزا دو جیسی تکلیف تمھیں پہنچائی تھی اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر والوں کو صبر سب سے اچھا ہے۔(کنزالایمان)

(۵) ''وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ''[2]

اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک وہی ہے سنتا جانتا۔(کنزالایمان)

(۶) ''وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا ''[3]

اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو!(کنزالایمان)

ان تمام آیات میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کسی بھی قوم سے جنگ میں پہل نہ کریں البتہ اگر کوئی تم سے جنگ پر کمربستہ ہو تو تم اپنے دفاع میں اس سے جنگ کر سکتے ہو لیکن اس صورت میں بھی اس کی تاکید کی گئی ہے کہ قتل و قتال، حرب و ضرب میں کسی بھی قسم کی زیادتی مسلمانوں کی طرف سے نہ ہو اور ہر حال میں عدل و انصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگ میں عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور راہبوں کے قتل کو سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کسی جہاد میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل کو برا گردانا۔[4]

۱-النحل، آیت:۱۲۶

۲-الانفال، آیت:۶۱

۳-المائدہ، آیت:۵

۴-صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب تحریم قتل النساء والصبیان

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ حدیث بھی مروی ہے کہ کسی جہاد میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔[1]

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اور بہت بوڑھے کو قتل نہ کرو اور نہ بچے کو اور نہ عورت کو۔[2]

حتیٰ کہ احادیث میں دشمن سے مقابلہ کی تمنا سے ممانعت آئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم دشمن سے مقابلہ کرنے کی تمنا نہ کرو اور جب ان سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو۔[3]

اس قسم کی بہت سی آیات اور احادیث ہیں جن میں بلا وجہ قتل و قتال، حرب و ضرب اور بے جا ظلم و تشدد سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے لیکن اسلام دشمن عناصر کو یہ سب آیات اور احادیث دکھائی نہیں پڑتی ہیں انہیں صرف وہی آیات نظر آتی ہیں جن میں بظاہر ان کے لیے بارود موجود ہے اور صحیح مفہوم و معنی کو سمجھے بغیر ان آیات کو سامنے لاکر وہ ملک کی فضا کو مسموم کرنا چاہتے ہیں اور برادرانِ وطن کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا چاہتے ہیں۔ سپریم کورٹ نے وسیم رضوی کی رٹ خارج کر کے اور اس کی سرزنش کر کے بتا دیا ہے کہ کسی کو بھی ملک کی گنگا جمنی تہذیب پر شب خون مارنے کی اجازت نہیں دی جائے گی جس کے لیے وہ مبارک باد کے قابل ہے۔

سورۂ انفال کی آیت ۶۵ اور ماقبل و مابعد کی دیگر آیتیں اور سورۂ تحریم کی آیت ۹ کو بھی مذکورہ بالا تناظر میں دیکھنا اور سمجھنا چاہیے۔

سن ۲ ہجری سے اسلام پر ایک نئے دور کا آغاز ہوا مسلمانوں نے ظالموں کی ریشہ

۱- ایضاً

۲- ابوداؤد، ج ا ص ا۳۵

۳- صحیح مسلم کتاب الجہاد، باب کراہۃ تمنی لقاء العدو و الأمر بالصبر عند اللقاء

دوانیوں سے تنگ آکر اپنے تحفظ کے لیے نہایت کم تعداد میں ہوتے ہوئے بھی تلوار اٹھا لیا جس کے نتیجے میں غزوۂ بدر وقوع پذیر ہوا لیکن اس جنگ میں فریقین کے مابین طاقت کا کوئی توازن نہیں تھا قریشِ مکہ کے ساتھ ایک بڑا لشکر تھا جس میں ایک ہزار پیدل سپاہ اور سو سوار تھے اور ایک طرف صرف تین سو تیرہ کی تعداد تھی جن میں ساٹھ مہاجرین باقی انصار تھے۔ (تاریخ اسلام)

قریش ساز و سامان اور آلاتِ حرب و ضرب سے پوری طرح لیس تھے لیکن مسلمانوں کو اللہ کی مدد پر بھروسا تھا ظاہر سی بات ہے جب مسلمانوں کو قریش کے لشکر کی نقل و حرکت اور ان کی بھاری نفری کی خبر ملی ہوگی تو انہیں ان کے مقابلہ میں اپنی قلتِ تعداد کا احساس ہوا ہوگا کہاں تین سو تیرہ! اور کہاں سامانِ حرب و ضرب سے لیس ایک ہزار سے بڑا لشکر؟ اسی موقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم فرمایا کہ آپ مسلمانوں کو استقامت کی تلقین کریں اور انہیں پوری طاقت سے دشمن سے مقابلہ پر برانگیختہ کریں اور انہیں بتائیں کہ وہ دشمن کی کثرتِ تعداد کو دیکھ کر نہ گھبرائیں بلکہ پوری جرأت و ہمت اور ایمانی جذبہ کے ساتھ ان کا مقابلہ کریں اور ان کو یہ بتادیں کہ اگر وہ بیس کی تعداد میں ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر وہ سو کی تعداد میں ہوں تو ایک ہزار دشمنوں پر غالب ہوں گے یعنی ایک مسلمان دس کافروں پر بھاری ہوگا بشرطیکہ وہ صبر، ہمت اور استقامت کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرے۔

اپنے فوجیوں میں اسپرٹ پیدا کرنا، حوصلہ بڑھانا، صبر و تحمل اور استقامت کے ساتھ دشمن کے مقابلہ کی ترغیب دینا، قلت و کثرت کو بالائے طاق رکھ کر دشمن سے نبرد آزما ہونے کا جذبہ پیدا کرنا آج بھی فوجی جنرلوں کا وطیرہ ہے۔ کیا دنیا کی حکومتیں یہ گوارہ کریں گی کہ فوجی افسر سپاہ میں بزدلی پیدا کرے، دشمن سے مقابلہ کے وقت ہتھیار ڈال دینے کی ترغیب دے، بغیر کسی مزاحمت کے خود سپردگی کر دے؟ ہرگز نہیں بس اسی

تناظر میں سورۂ انفال کی آیت ۶۵ کو بھی سمجھنا چاہیے۔

بکری چرانے والوں، اونٹوں کی گلہ بانی کرنے والوں کو فرماں روائی کا ہنر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اسی تعلیم نے دیا تھا جس کی بدولت وہ بگولوں کی طرح اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا پر چھا گئے۔

سورۂ تحریم کی آیت ۹ کا بھی نزول مدینہ میں ہجرت کے ابتدائی دنوں میں ہوا جب کہ مسلمانوں کو بیرونی اور اندرونی دشمنوں سے برابر کا خطرہ بنا ہوا تھا ایک طرف مسلمانوں کے کھلے دشمن آئے دن اپنی ناپاک حرکتوں اور طرح طرح کی سازشوں سے مسلمانوں کا جینا حرام کیے ہوئے تھے اور دوسری طرف ان کے چھپے دشمن عبد اللہ بن ابی اور اس کے پیروکار جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے اور بباطن وہ قریشِ مکہ کے ہم نوا اور ان سے ملے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی راہ میں مشکلات پیدا کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ منافقوں کی سازشوں کا اندازہ آپ یوں کر سکتے ہیں کہ جب احد کا معرکہ پیش آیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نوجوان صحابہ کی بڑی تعداد کے مشورے پر شہر سے باہر نکل کر دشمنوں سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا اور جب آپ اسلامی لشکر کو لے کر مقامِ شرط پر پہنچے تو عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر فرار ہو گیا اور عذر یہ پیش کیا کہ میری رائے کے مطابق مدینے میں رہ کر مقابلہ نہیں کیا گیا اس لیے میں اس جنگ میں شریک نہیں ہو سکتا۔ عین وقت پر ابن ابی کے پیٹھ دکھانے کی وجہ سے مسلمان جو پہلے ہی تعداد میں کم تھے اب وہ مزید کم ہو گئے (صرف سات سو)۔

حاصل یہ ہے کہ ہجرت کے ابتدائی ماہ و سال میں مسلمانوں کو بیرونی اور اندرونی دو محاذ پر دشمن سے نبرد آزما ہونا پڑتا تھا ان حالات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم فرمایا: کہ جو کھلے دشمن ہیں اور قتل و قتال پر آمادہ ہیں ان سے آپ جہاد بالسیف کریں اور جو چھپے دشمن ہیں یعنی منافقین انہیں دلائل کے ذریعہ حق قبول کرنے پر

آمادہ کریں یا ڈانٹ پھٹکار کر انہیں راہِ راست پر لائیں یا ان کے راز کو فاش کر کے ان کی خباثت باطنی کو ظاہر کر دیں اور دونوں کے ساتھ انتہائی سختی سے پیش آئیں تا کہ ان کا زور ٹوٹ جائے اور اسلام کو غلبہ واقتدار حاصل ہو جائے۔[1]

چھبیسویں آیت:

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤى اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ۪ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِؕ وَ سَوْفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾[2]

اور وہ جنھوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے عہد لیا تو وہ بھلا بیٹھے بڑا حصہ ان نصیحتوں کا جو انھیں دی گئیں تو ہم نے ان کے آپس میں قیامت کے دن تک بیر اور بغض ڈال دیا اور عنقریب اللہ انھیں بتا دے گا جو کچھ کرتے تھے۔(کنزالایمان)

یہودیوں کی عہد شکنی اور خصائل قبیحہ بیان کرنے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت میں نصاریٰ کے برے اعمال و افعال اور ان کی مذموم خصلتوں کو بیان فرمایا ہے۔ یہودیوں نے اللہ تبارک و تعالی سے عہد و پیمان کیا تھا کہ ہم اللہ اور اس کے انبیا و رسولوں پر ایمان لائیں گے اور ان کے جاری کردہ احکام پر عمل کریں گے لیکن انھوں نے اس عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ دیا۔ حضرت موسیٰ کے بعد آنے والے انبیا کی انھوں نے نہ صرف یہ کہ تکذیب کی بلکہ بہت سے نبیوں کو انھوں نے قتل بھی کر دیا۔ توریت میں حضور سید عالم ﷺ کی نعت اور ان کے اوصاف بیان کیے گئے تھے اس میں ان لوگوں نے تحریف کر دی۔ توریت میں انھیں حکم دیا گیا تھا کہ جب آخری نبی

۱- تفسیر کبیر ماتحت الآیۃ

۲- المائدۃ، آیت: ۱۴

مبعوث ہوں تو یہ اس پر ایمان لائیں لیکن انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا۔ اور انھیں جھٹلا دیا اور یہی نہیں کہ جھٹلا دیا بلکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف انھوں نے در پردہ سازشوں کا ایک جال سا پھیلا دیا۔

سورۂ مائدہ کی آیت ۱۴ میں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے یہودیوں کی طرح نصاریٰ سے بھی عہد لیا تھا کہ وہ اللہ و رسول پر ایمان لائیں گے اور اعمالِ حسنہ کے بجا لانے میں کوئی کوتاہی نہیں کریں گے اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انجیل میں ان سے عہد لیا تھا کہ یہ آخری نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے لیکن ان لوگوں نے اس عہد کو بالائے طاق رکھ دیا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی جس کی وجہ سے ان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان میں قیامت تک کے لیے عداوت پیدا کر دی یا یہود و نصاریٰ کے مابین عداوت پیدا کر دی اور آیت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے ان پر وعیدِ شدید قائم کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم انھیں جلد ہی بتا دیں گے کہ یہ کیا کرتے تھے یعنی ہم انھیں اس عہد و پیمان کی خلاف ورزی کرنے اور نصائح کے بھلا دینے پر سخت سزا سے دوچار کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے صدرِ آیت: ”وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّا نَصَٰرَىٰٓ“ سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ بزعمِ خویش خود کو نصاریٰ یعنی انصار اللہ کہتے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لیے کہ اگر یہ اپنے دعویٰ میں سچے ہوتے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری اور اس کے احکام کی بجا آوری پر ثابت قدم رہتے اور اس سے کیے ہوئے عہد کو فراموش نہیں کرتے لیکن انھوں نے سب کچھ بالائے طاق رکھ دیا۔

عہد و پیمان کی خلاف ورزی اور مملکتوں کے مابین طے شدہ میثاق کی منسوخی یا عدم بجا آوری کو آج کی دنیا بھی بدترین جرم تصور کرتی ہے جس سے بسا اوقات اقتصادی ناکہ بندی سے لے کر جنگ کی نوبت آجاتی ہے اسی طرح ریاست اور شہریوں کے مابین طے پائے گئے معاہدے پر فریق یا فریقین کے عمل نہ کرنے کی صورت میں امن و امان کا

مسئلہ کھڑا ہوجاتا ہے اور غالب فریق مغلوب کو مٹانے کے درپے ہوجاتا ہے جس کا نتیجہ بسا اوقات قید و بند اور ہلاکت تک پہنچ جاتا ہے۔

اسی تناظر میں سورۂ مائدہ کی آیت ۱۴ اور اس سے ماقبل کی آیات کو بھی سمجھنا چاہیے اور اس پر ایمان رکھنا چاہیے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کا کلام ہے جس میں کسی طرح کا رد و بدل، تحریف یا آمیزش نہیں ہوسکتی اور یہ رہتی دنیا تک بنی آدم کے لیے ہدایت اور خیر و فلاح کا ضامن ہے۔

تمت بالخیر

بفضلہٖ تعالیٰ آخری قسط (۱۶) کے اجرا کے ساتھ مقررہ ۲۶ آیات جہاد و غیر جہاد کی تفسیر کا کام مکمل ہوگیا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ ہمارے عزیز مولانا سراج احمد سلمہ دہلی آخری ۶ اقساط کا بھی جلد ہی انگلش میں ٹرانسلیشن کردیں گے پھر انھیں بھی فیس بک پر جاری کردیا جائے گا ان اقساط کا ابھی ہندی میں ٹرانسلیشن نہیں ہوپایا ہے اگر اللہ نے چاہا تو یہ کام بھی ہوجائے گا۔

بہتر ہے کہ نظر ثانی کے بعد ان اقساط کو کتابی شکل دی جائے اور ملک میں رائج تین زبانوں اردو، ہندی اور انگلش میں اسے شائع کیا جائے تاکہ خلقِ کثیر اس سے استفادہ کرے بالخصوص برادران وطن پر یہ واضح ہوجائے کہ قرآن نفرت اور آتنک کا داعی نہیں ہے بلکہ یہ امن و امان کا پیغامبر اور نقیب ہے۔

دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کام کے تکمیل کی سبیل پیدا فرمادے!!!

*****

مصنف کی دیگر اہم تصنیفات

(۱)- توضیحات احسن	شرح اردو	ملاحسن
(۲)- تہذیب الفرائد	شرح اردو	شرح عقائد
(۳)- اطائب التہانی	شرح اردو	مختصر المعانی
(۴)- محاضرات	شرح اردو	قطبی تصورات
(۵)- افاضۃ الرضوی	شرح اردو	میر قطبی
(۶)- تحفۂ مسلم	شرح اردو	مقدمۂ مسلم
(۷)- البیان المفہم (جلد اول)	شرح اردو صحیح مسلم	(کتاب الایمان)
(۸)- البیان المفہم (جلد ثانی)	شرح اردو صحیح مسلم	(کتاب الطہارۃ، کتاب الصلاۃ)
(۹)- تشریحات	شرح اردو	قطبی تصدیقات
(۱۰)- زاد الحرمین	(حج وزیارت)	
(۱۱)- مخزن طب (نایاب)	(طب)	
(۱۲)- فضیلت رمضان	(نایاب)	

Published by

SIDDIQUI MISSION, KHAIRABAD, MAU U.P.